بسم اللہ الرحمن الرحیم
القواعد فی العقائد
تالیف
شیخ الحدیث والتفسیر
پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی
دامت برکاتہم العالیہ
رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز
بشیر کالونی سرگودھا 048-3215204

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القواعد
فی
العقائد

تالیف

شیخ الحدیث والتفسیر

پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی

دامت برکاتہم العالیہ

ناشر

رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز بشیر کالونی سرگودھا

048-3215204-0303-7931327

فہرستِ مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ

وَّ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

عقیدہ کی تعریف

عقیدہ کا لفظ عقد سے بنا ہے۔ عقد کا لفظی معنی ہے بندھن اور گرہ۔ مضبوط چیز کو گرہ یا عقد کہتے ہیں۔ وہ نظریہ جو مضبوط ہو اور جس پر وثوق ہو اسے عقیدہ کہتے ہیں۔

اسلامی عقائد کی اقسام

(i)۔ضروریاتِ اسلام:۔ یہ ایسے عقائد ہیں جو قرآن مجید یا حدیثِ متواتر یا اجماعِ صحابہ سے ثابت ہوں اور ان دلائل کی اپنے مفہوم پر دلالت قطعی اور واضح ہو۔ ان دلائل کے قطعی الثبوت ہونے کی وجہ سے ان میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی اور قطعی الدلالت ہونے کی وجہ سے ان میں تاویل نہیں چلائی جاسکتی۔ ایسے عقائد میں سے کسی ایک عقیدہ کا منکر بھی کافر ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود ماننا، اس کے وجوبِ وجود، استحقاقِ عبادت اور مستقل صفات میں کسی کو شریک نہ ماننا، اسے بے عیب سمجھنا، فرشتوں کو ماننا، آسمانی کتابوں کو ماننا، انبیاء ورسل کو ماننا، قیامت کو ماننا، تقدیر کو ماننا، نبی کریم ﷺ کو آخری نبی ماننا، حیاتِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ رکھنا، کبائر کو قابلِ معافی سمجھنا، قرآن مجید کو محفوظ سمجھنا اور اس کے ایک ایک لفظ کو تسلیم کرنا، عذابِ قبر کو حق سمجھنا، معراج کو حق سمجھنا، شفاعت کا جواز ماننا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا عقیدہ رکھنا، ختمِ نبوت کے بعد کسی کو مامور من اللہ نہ سمجھنا، انبیاء وملائکہ کو معصوم سمجھنا، سیدہ صدیقہ پر بہتان کو غلط سمجھنا، نماز روزہ حج زکوٰۃ اور جہاد کو ماننا۔

(ii)۔ضروریاتِ مذہبِ اہلِ سنت وجماعت:۔ یہ ایسے عقائد ہیں جن کا ثبوت ضروریاتِ اسلام کے دلائل کی طرح قطعی ہو لیکن اسکے دلائل کی دلالت قطعی نہ ہو بلکہ اس میں تاویل کا احتمال موجود ہو، یا اگر ثبوت ظنی ہو تو دلالت قطعی ہو جیسے ائمہ اربعہ کا اجماع۔ لہٰذا اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جاتا۔ البتہ ایسا شخص اہلِ سنت سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً خلفاءِ اربعہ علیہم الرضوان کی خلافت، شیخین کو

افضل سمجھنا اور ختنین سے محبت کرنا، موزوں پر مسح کو جائز سمجھنا، تمام صحابہ و اہل بیت علیہم الرضوان کا ادب، اجماعِ امت کی حجیت کو تسلیم کرنا، ہمیشہ جماعت کا ساتھ دینا اور شذوذ سے بچنا۔

(iii)۔ثابتاتِ محکمہ:۔ یہ ایسے عقائد ہیں جو ظنی دلائل سے ثابت ہوں۔ یہ دلائل اس قدر وزنی ہوتے ہیں کہ جانبِ خلاف کو پچھاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ جیسے صحیح خبرِ واحد اور قولِ جمہور۔ ان کا خلاف بھی کوئی معمولی آفت نہیں، اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ۔ مثلاً گستاخِ رسول کی توبہ کا عدمِ قبول، انبیاء کی فرشتوں پر افضلیت، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم پر افضلیت۔

(iv)۔ظنیاتِ محتملہ: ۔یہ نظریات ایسی ظنی دلیل سے ثابت ہوتے ہیں جو محض راجح ہو اور جانبِ خلاف کے لیے گنجائش بھی موجود ہو۔ مثلاً محبوب کریم ﷺ کو عالمِ ما کان و ما یکون سمجھنا، حاضر ناظر سمجھنا، مختارِ کل سمجھنا، آپ ﷺ کی نورانیت حسی، یارسول اللہ کہنے کا جواز، حضور ﷺ کا سایہ نہ ہونا، علماء وشہداء کے شفیع بننے کا عقیدہ، مزارات کی زیارت اور صاحبِ مزار سے توسل، بخاری شریف کو اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہ سمجھنا۔

بعض کام ایسے ہیں جن کا تعلق عقیدے سے نہیں بلکہ عمل سے ہے اور عصرِ حاضر میں اختلافی ہونے کی وجہ سے انہیں عقائد کے ساتھ نتھی کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ایصالِ ثواب کے لیے دن مقرر کرنا، میلاد شریف منانا، کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا، محبوب کریم ﷺ کے اسمِ گرامی پر انگوٹھے چومنا، جنازہ کے بعد دعا مانگنا، ایصالِ ثواب کی مختلف صورتیں مثلاً سوئم چالیسواں عرس وغیرہ۔ یہ سب باتیں مستحب ہیں، ان کا کرنا ثواب ہے، لیکن ان کے ترک سے نہ گناہ لازم آتا۔

ایک محقق کو معلوم ہونا چاہیے کہ کونسی دلیل سے کیا ثابت ہوتا ہے اور کون سے دعویٰ پر کونسی دلیل درکار ہوتی ہے۔ آج کچھ لوگ ایسے ہیں جو قطعی باتوں کے انکار کو بھی کفر نہیں کہتے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو ظنیاتِ محتملہ اور مستحبات پر شرک کا فتویٰ داغ رہے ہیں۔ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ مکفرِ محض اپنے پسندیدہ احتمال پر مصر ہوتا ہے اور اس احتمال کے منکر کو کافر کہہ رہا ہوتا ہے۔ جبکہ فریقِ مخالف کے پاس قولِ مختار ہوتا ہے۔ چور الٹا کوتوال کو ڈانٹتا ہے۔ نہ صرف ڈانٹتا ہے بلکہ اسے کافر کہتا ہے۔ اس صورتِ حال کا اصل سبب جہلا کی فتویٰ بازی اور فاروقی ڈنڈے کا فقدان ہے۔

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد　　　گر فرقِ مراتب نکنی زندیقی

قاعدہ نمبر 1

شرک کی تعریف

اَلاِشْرَاکُ هُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِیْکِ فِی الْاُلُوهِیَّةِ بِمَعْنٰی وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ کَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ بِمَعْنٰی اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ کَمَا لِعَبَدَةِ الْاَصْنَامِ یعنی الوہیت میں کسی کو اللہ کا شریک ثابت کرنا شرک ہے، خواہ اس شریک کو واجب الوجود مانا جائے جیسے مجوسی مانتے ہیں، یا عبادت کا حقدار مانا جائے جیسے بت پرست مانتے ہیں (شرح عقائد نسفی صفحہ ۷۸)۔

شرک کی آسان اور سادہ تعریف یہ ہے کہ خاصہ خداوندی کو غیر میں تسلیم کرنا شرک ہے۔ خاصہ وہ ہوتا ہے کہ یُوْجَدُ فِیْ شَیْءٍ وَلَا یُوْجَدُ فِیْ غَیْرِہٖ یعنی جو ایک چیز میں پایا جائے اور اس کے علاوہ کسی چیز میں نہ پایا جائے۔ اس تعریف کی روشنی میں مندرجہ ذیل قوانین ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

(۱)۔ دور سے پکارے جانا یا مرنے کے بعد پکارے جانا اللہ تعالیٰ کا خاصہ نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دور ہونے یا مرجانے سے پاک ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کو دور سے پکارنا یا وفات کے بعد پکارنا شرک نہیں۔

(۲)۔ ممکن کا اعتقاد شرک نہیں ہوسکتا۔ معجزہ اور کرامت اگرچہ مافوقُ الاسباب اور خلافِ عادت ہوتے ہیں لیکن چونکہ ممکن ہوتے ہیں لہٰذا ان کا صدور شرک نہیں۔

(۳)۔ جو چیز وقتی طور پر شرک نہیں وہ دائمی طور پر بھی شرک نہیں۔ شرک ایک لمحے کیلیے بھی جائز نہیں ہوسکتا۔

(۴)۔ جو چیز انبیاء علیہم السلام کے حق میں شرک ہے وہ فرشتوں کے حق میں بھی شرک ہے لہٰذا اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور ماننا شرک ہے تو پھر فرشتوں کو نور ماننا بھی شرک ہوگا۔ اور اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دور سے درود شریف سننا شرک ہے تو پھر قبر انور پر کھڑے فرشتے کا

درود شریف سن کر آگے پہنچا دینا بھی شرک ہوگا۔

(۵)۔ جو چیز آخرت میں شرک نہیں وہ دنیا میں بھی شرک نہیں۔ جیسے قیامت کے دن ایک شخص کہے گا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَغِثْنِیْ (بخاری: ۳۰۷۳، مسلم: ۴۷۳۴)۔

(۶)۔ شرک خفی کو شرک جلی پر محمول کرنا اور صوفیاء علیہم الرضوان کی باتوں کا ہر خاص و عام کو مکلف ٹھہرانا پرلے درجے کی حماقت اور مشرک سازی ہے۔

(۷)۔ ظاہری اسباب سے بالاتر کاموں میں مدد کرنے یا مدد مانگنے کا عدم جواز اور ماتحت الاسباب کاموں میں اس کا جواز کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔ یہ محض ایک خانہ ساز قاعدہ ہے جسے مشرک سازوں نے اپنی فیکٹری میں تیار کیا ہے۔

(۸)۔ معجزہ اور کرامت اللہ کا فعل ہوتے ہیں یا نبی اور ولی کا؟ ان میں سے کسی بات کی کلی طور پر تصدیق یا تکذیب نہیں کی جا سکتی لیکن اتنا آسانی سے سمجھ میں آتا ہے کہ بخاری میں ایک مستقل باب قائم کر دیا گیا ہے جس کا نام ہے" سُوَالُ الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّرِیَھُمُ النَّبِیُّ ﷺ آیَۃً فَاَرَاھُمْ اِنْشِقَاقَ الْقَمَرِ" یعنی مشرکینِ مکہ نے نبی کریم ﷺ سے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھانے کا مطالبہ کیا تو آپ نے کر کے دکھا دیا (بخاری: کتاب المناقب باب مذکور)۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ یہ معجزہ بالکل اختیاری طور پر دکھایا گیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ معجزہ صادر ہو گیا ہو اور خود نبی کریم ﷺ اسے دیکھ کر حیران پریشان رہ گئے ہوں کہ یہ کیسے ہو گیا۔ اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی جب آنکھ باہر نکل گئی تو آپ نے مکمل اعتماد اور اختیار کے ساتھ فرمایا تھا اِنْ شِئْتَ رَدَدْتُھَا وَدَعَوْتُ اللّٰہَ لَکَ فَلَمْ تَفْقِدْ مِنْھَا شَیْئاً یعنی اگر تم چاہو تو میں تمہاری آنکھ واپس کر دوں اور اللہ سے تمہارے لیے دعا کروں، پس تمہاری آنکھ تمہیں کامل طریقے سے مل جائے۔ اور پھر فرمایا: اَفْعَلُ یَا اَبَا قَتَادَۃَ یعنی اے ابو قتادہ میں تمہاری آنکھ ٹھیک کیے دیتا ہوں (الوفا صفحہ ۳۳۳، مستدرکِ حاکم: ۵۳۵۹)۔

واضح ہو گیا کہ معجزہ دکھانے سے پہلے حضور کریم ﷺ کو اس معجزے کے صدور کا یقین

تھااور پہلے ہی اپنے خداداد کمال پر اعتماد تھا حتیٰ کہ اَفعَلُ کا صیغہِ واحد متکلم استعمال فرمایا۔

اب اگر چند مواقع پر بھی اختیار اور علم ثابت ہو گیا تو اختیار کے شرک ہونے کا قاعدہ ٹوٹ گیا۔اس لیے جو چیز شرک ہو وہ ہمیشہ کے لیے شرک ہوتی ہے، ایک آدھ مرتبہ بھی اس کا وقوع جائز نہیں۔

(۹)۔ اللہ کا اذن آجائے تو شرک ختم ہو جاتا ہے۔جیسے ملک الموت کا اللہ کے اذن سے موت دینا، حضرت جبریل علیہ السلام کا اللہ کے اذن سے حضرت مریم کو بیٹا دینا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کے اذن سے مردے زندہ کرنا وغیرہ۔

(۱۰)۔ اللہ تعالیٰ کی صفات بندوں میں پائی جا سکتی ہیں جیسے ہر انسان سمیع و بصیر ہے (الدھر:۲) اور نبی کریم ﷺ رؤف ورحیم ہیں (التوبۃ:۱۲۸)۔لیکن اللہ کی صفات اور بندوں کی صفات میں، قدیم وحادث، ذاتی وعطائی اور لامحدود اور محدود کا فرق رکھنا ضروری ہے۔

گویا خوارج اور جدید معتزلہ نے شرک کا مفہوم ہی بگاڑ رکھا ہے اور اس لفظ کو نہایت بے موقع استعمال کرنا ان کا مشغلہ ہے۔مذکورہ اصولوں کی روشنی میں یا تو انہیں اہل ِسنت کو بھی مُوَحِّد ماننا پڑے گا یا پھر خوارج خود بھی مشرک ثابت ہو جائیں گے۔تدبّر اور حاضر دماغی شرط ہے۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 2

میرے نبی پہ سارا دارومدار ہے

آپ ﷺ کی نبوت

ہمارے نبی اکرم ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا، بے شمار معجزات، قرآن جیسی کتاب اور ہمہ گیر ولازوال تعلیمات آپ ﷺ کی نبوت کا ثبوت ہیں۔

ختمِ نبوت

ختمِ نبوت قرآن کی اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہے: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْماً یعنی محمد تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کے باپ بھی نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے (احزاب: ۴۰)۔اس آیت میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کی گنجائش نہیں۔ نبی کریم ﷺ کی کثیر التعداد احادیث میں بھی آپ کے آخری نبی ہونے کی تصریح موجود ہے۔

(1)۔ اِنَّ مَثَلِی وَمَثَلَ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنیٰ بَیْتاً فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ اِلَّا مَوضِعَ لَبِنَۃٍ مِنْ زَاوِیَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوفُونَ بِہٖ وَیَتَعَجَّبُونَ لَہٗ وَیَقُولُونَ ھَلَّا وُضِعَتْ ھٰذِہِ اللَّبِنَۃُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ یعنی میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے حسین وجمیل محل بنایا ہو مگر کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو۔لوگ آکر اس محل میں گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں خالی ہے۔بس میں وہ آخری اینٹ ہوں۔اور میں خاتم النبیین ہوں (بخاری :۳۵۳۵،مسلم:۵۹۶۱)۔

(2)۔ کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَاِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِی وَسَیَکُونُ خُلَفَآءُ فَیَکْثُرُونَ قَالُوا فَمَا ذَا تَأْمُرُنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ فُوا بَیْعَۃَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوا حَقَّھُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ سَائِلُھُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاھُمْ یعنی بنی اسرائیل میں لوگوں کی اصلاح کا کام انبیاء کے ذمے تھا۔ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آجاتا تھا۔لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔بلکہ اب خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے۔فرمایا پہلے کی بیعت نبھاؤ بس پہلے کی بیعت نبھاؤ۔تم ان کا حق ادا کرتے رہو۔اللہ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں خود پوچھ لے گا (مسلم: ۴۷۷۳، بخاری

:۳۴۵۵،ابن ماجہ:۱۷۸۲)۔

(3)۔ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَ النُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِی وَ لَا نَبِیَّ یعنی بلا شبہ رسالت اور نبوت دونوں منقطع ہو چکی ہیں ۔اب میرے بعد نہ تو کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی (ترمذی :۲۲۷۲،مسند احمد:۱۳۸۳۱)۔

(4)۔ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یعنی میری اُمت میں تیس جھوٹے شخص ہوں گے، ان میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ میں آخری نبی ہوں ۔میرے بعد کوئی نبی نہیں (مسلم :۷۳۴۲، بخاری :۳۶۰۹،ترمذی:۲۲۱۸،ابوداؤد:۴۲۵۲)۔

(5)۔ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا (ترمذی:۳۶۸۶،مستدرک حاکم:۴۵۵۱)۔

(6)۔ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلاَّ اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یعنی اے علی! کیا آپ خوش نہیں کہ آپ میرے وہی کچھ لگتے ہیں جو موسیٰ کے ہارون لگتے تھے۔فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (مسلم:۶۲۲۱، بخاری:۴۴۱۶،ابن ماجہ:۱۱۵)۔

(7)۔ بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ یعنی میں اور قیامت دو انگلیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں (یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں) (بخاری :۶۵۰۴، مسلم : ۷۴۰۴، ترمذی:۲۲۱۴)۔

(8)۔ اَنَا الْعَاقِبُ وَ الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لَیْسَ بَعْدَہٗ اَحَدٌ یعنی میں عاقب ہوں، اور عاقب وہ ہوتا ہے جسکے بعد کوئی نبی نہ ہو، ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ عاقب وہ ہوتا ہے جسکے بعد ایک بھی نہ ہو (بخاری:۳۵۳۲،مسلم:۶۱۰۵،ترمذی:۲۸۴۰)۔

اسی پر تمام صحابہ کرام سمیت پوری امت کا اجماع بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا کفر ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مسیلمہ کذاب کے

خلاف ایک لاکھ صحابہ کرام کو جنگ کرنے کیلیے بھیجنا اور اس پر کسی کا اعتراض نہ کرنا اس موضوع پر صحابہ کا عظیم الشان اجماع ہے۔

اس موضوع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ لڑکر تمام صحابہ علیہم الرضوان نے اتفاق کیا اور بعد میں بھی پوری امت کا اس پر اجماع چلا آرہا ہے۔

آپ ﷺ کی مرکزیت

دین اسلام بلکہ نظام کائنات میں نبی کریم ﷺ کی مرکزیت کا انکار کوئی مسلمان اور ذی شعور انسان نہیں کرسکتا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جسے ہم مندرجہ ذیل نا قابل تردید دلائل کے ساتھ پیش کرر ہے ہیں۔

(ا)۔ اللہ کریم نے اپنے حبیب ﷺ کو دنیا کے وسط میں پیدا فرمایا۔ براعظم ایشیا، افریقہ، یورپ کی سرحد کے پاس عرب شریف واقع ہے اور اس کے مشرق بعید میں آسٹریلیا، اور مغرب بعید میں امریکہ موجود ہے۔ جس کا جی چاہے دنیا کا نقشہ ملاحظہ کرلے۔

بائیبل میں مکہ کا ترجمہ ''زمین کی ناف'' یا ''جہان کا مرکز'' کردیا گیا ہے (ملاحظہ ہو بائیبل کی کتاب حزقیال باب ۳۸ آیت ۱۲)۔ انگریزی بائیبل میں اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے۔

d Cross Road Of The Worl

مفرداتِ راغب میں ہے کہ مکہ سے مراد ہڈی کا گودا ہے۔ جو ہڈی کے وسط میں ہوتا ہے۔ (جسے پنجابی میں مِکھ کہتے ہیں) اور مکہ کو مکہ اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ زمین کے وسط میں موجود ہے۔ سُمِّيَتْ بِذٰلِکَ لِاَنَّهَا فِي وَسْطِ الْاَرْضِ (مفردات راغب صفحہ ۴۹۱)۔

(ب)۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: محمد رسول اللہ۔ یعنی محمد ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ اور ارشاد فرماتا ہے: فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ۔ یعنی اے محبوب تیرے رب کی قسم یہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے تمام تنازع جات میں تیرا فیصلہ نہ مان لیں (النساء: ۶۵)۔ گویا محمد رسول اللہ میں آپ ﷺ کی خدائی نمائندگی کا ذکر

ہے اور فَلَا وَ رَبِّکَ میں کائنات پر آپ ﷺ کی حکمرانی کا ذکر ہے۔ یوں دونوں آیتوں کی روشنی میں اللہ اور اسکی مخلوق کے درمیان آپ ﷺ کی مرکزیت منظر پر آ رہی ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے: مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّداً فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَ مَنْ عَصیٰ مُحَمَّداً فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَینَ النَّاسِ یعنی جس نے محمد کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ محمد لوگوں کے درمیان امتیاز اور معیار ہیں (بخاری: ۷۲۸۱)۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَ سَلَّمَ کُلَّمَا ذُکِرَ

(ج)۔ نبی کا منصب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ علامہ بیضاوی علیہ الرحمۃ نے یہ بات سمجھانے کے لیے ایک مثال دی ہے، فرماتے ہیں: وَ نَظِیْرُ ذٰلِکَ الْغَضْرُوْفُ الْمُنَاسِبُ لِلْعَظْمِ وَ اللَّحْمِ لِیَأْخُذَ مِنْ ھٰذَا وَ یُعْطِیَ ذٰلِکَ۔ یعنی اس کی مثال ایسے ہے جیسے ہڈی اور گوشت کے درمیان ربط پیدا کرنے کیلئے سفید رنگ کا غضروف ہوتا ہے جو ایک طرف سے غذا وصول کر کے دوسری طرف فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے (بیضاوی جلد ا صفحہ ۵۰)۔ بلا تشبیہ ہمارے نبی کریم ﷺ میں اخذ و عطا کا کمال بدرجہ احسن و اتم پایا جاتا ہے۔ جدید دور کی ایک مثال بجلی کا اڈاپٹر (ADAPTER) ہے جو ایک طرف سے 230 وولٹ تک بجلی وصول کرتا ہے اور دوسری طرف ریڈیو وغیرہ کی برداشت کے مطابق 1½ وولٹ تک بجلی فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں: اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَ اللّٰہُ یُعْطِی یعنی اللہ دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں۔ (بخاری: ۷۱، ۳۱۱۶، ۷۳۱۲، مسلم: ۲۳۹۲) اس حدیث شریف کو غضروف کی مثال سے سمجھا جائے یا اڈاپٹر کی مثال سے، بہر حال یہ حدیث ایک طرف سے وصول کر کے دوسرے طرف تقسیم کر دینے والی ہستی کی مرکزیت کو اچھی طرح واضح کر رہی ہے۔

جو لوگ اللہ اور اس کی مخلوق میں فرق ظاہر کرنے کا بہانہ کر کے نبی کریم ﷺ کے اختیارات کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ حدیث اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ میں بیان کی گئی نبی کریم ﷺ کی مرکزیت

ان لوگوں کو لگام دینے کے لیے کافی ہے۔

(د)۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ یعنی تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (بخاری: ۱۵، مسلم: ۱۶۸، ۱۶۹، نسائی: ۵۰۱۳، ۵۰۱۴، ۵۰۱۵، ابنِ ماجہ: ۶۷)۔

گویا محبت کا محور و مرکز بھی نبی کریم ﷺ ہی کی ذات ہے۔ صحابہ کرام و اہل بیت اطہار علیہم الرضوان سے محبت نبی کریم ﷺ ہی کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو درمیان سے ہٹا کر صحابہ کرام یا اہل بیت علیہم الرضوان کی محبت کا دعویٰ کچھ معنی نہیں رکھتا۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں فرمایا: مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ، وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ یعنی جس نے ان سے محبت کی اس کے دل میں میری محبت تھی جس کی وجہ سے اس نے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس کے دل میں میرا بغض تھا جس کی وجہ سے اس نے ان سے بغض رکھا (ترمذی: ۳۸۶۲، مسند احمد: ۱۶۸۰۸، مشکوٰۃ: ۶۰۱۴)۔

اور اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کے بارے میں فرمایا: اَحِبُّوا اَهْلَ بَیْتِیْ بِحُبِّیْ یعنی میری محبت کی خاطر میرے اہل بیت سے محبت رکھو (ترمذی: ۳۷۸۹، مشکوٰۃ: ۶۱۸۲)۔

ذرا غور کیجیے تو واضح ہو جائے گا کہ خوارج اور روافض دونوں نے نبی کریم ﷺ کی مرکزی ذات کی بجائے صحابہ کرام اور اہل بیت میں سے ایک کو لے لیا اور خائب و خاسر ہو گئے۔ جب کہ اہل سنت و جماعت نے مرکز کا دامن تھام لیا تو مرکز کی برکت سے صحابہ کرام اور اہل بیت علیہم الرضوان دونوں کی غلامی بھی ہاتھ سے نہ گئی۔

جو لوگ محبوب کریم ﷺ کی ذات پاک اور ارشاد پاک کی مرکزیت کو تسلیم نہیں کرتے وہ ایسے راندۂ درگاہ ہو جاتے ہیں کہ ان میں سے خوارج حکومت وقت کو اپنا مرکزِ ملت مان کر بیٹھ

جاتے ہیں اور روافض ائمہ اہل بیت علیہم الرضوان کو مرکزِ امت اور مامور من اللہ سمجھنے لگتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جان لو کہ اہل بیت سے محبت نہ رکھنا خارجیت ہے اور صحابہ پر تبرا بولنا رافضیت ہے۔ جبکہ اہلِ بیت اور صحابہ کرام دونوں سے محبت رکھنا اور ان کا ادب و احترام کرنا سنیت ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہم نشینوں کی محبت سنیت کی بنیاد ہے۔ عقل مند اور انصاف پسند کبھی بھی اہلِ بیت کی محبت کی آڑ میں صحابہ کرام سے بغض نہیں رکھے گا۔ بلکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی کی خاطر ان سب سے دوستی رکھے گا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے ان سے دوستی رکھی میری خاطر دوستی رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا (مکتوبات جلد ۱ مکتوب نمبر ۳۶)۔

(ھ)۔ قرآن کو سمجھنے کا دارومدار نبی ﷺ کی حدیث پر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ یعنی اے محبوب ہم نے قرآن آپ پر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں پر اس کی وضاحت کریں جو کچھ انکی طرف نازل کیا گیا ہے (النحل: ۴۴)۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یُجَادِلُوْنَکُمْ بِالْقُرْآنِ فَخُذُوْھُمْ بِالسُّنَنِ فَاِنَّ اَصْحَابَ السُّنَنِ اَعْلَمُ بِالْقُرْآنِ یعنی یہ لوگ تم سے قرآن کے ذریعے بحث کرتے ہیں تم انہیں سنت کے ذریعے پکڑو (الشفا جلد ۲ صفحہ ۱۱)۔

ہمیں اللہ، قرآن اور اسلام کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے بتایا اور ہم ایمان لائے۔ ہم اللہ کو اللہ ماننے قرآن کو قرآن ماننے اور اسلام کو اسلام ماننے میں نبی کریم ﷺ کے اشارے کے محتاج اور پابند ہیں۔ گویا یہ سب نبی کریم ﷺ کے فرمان یعنی حدیث پر موقوف ہے۔ اور فرمانِ محبوب ﷺ کو یہاں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اے اللہ میں نے تجھے رب اس لیے مانا ہے کہ تو محمد عربی ﷺ کا رب ہے۔

جس نے بھی حدیث کو چھوڑ کر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی وہ زمانہ در زمانہ اور علاقہ در

علاقہ بدلتی رہنے والی لغت کے سنگلاخ جنگلوں میں بھٹک کر رہ گیا۔ کہیں وہ سر سید بن گیا، کہیں پرویز اور کہیں مرزا قادیانی (جو غیر مسلم ہے)۔

حدیث کا منکر شترِ بے مہار ہوتا ہے اور اپنی مرضی سے قرآن کو ہر مفہوم پہنا دیا کرتا ہے۔ قادیانیوں اور پرویزیوں نے یہیں سے مار کھائی ہے۔

(و)۔ ایمانِ مفصل اور ایمانِ مجمل سے بھی زیادہ مختصر تعریف ایمان کی یہ ہے کہ جو کچھ نبی کریم ﷺ لائے ہیں (مَا جَآءَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ) اسے مان لینا ایمان ہے۔

محبوب کریم ﷺ کی مرکزیت کا انکار خوارج اور روافض دونوں نے کیا ہے۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 3

آثارِ صحابہ کی حجیت اور شانِ صحابہ کا اقرار ضروری ہے

صحابہ کرام علیہم الرضوان وہ ہستیاں ہیں جو نبی کریم ﷺ کی زیارت اور صحبت سے مشرف ہیں۔ وحیِ قرآن کے براہِ راست گواہ اور ہدایت کے ستارے ہیں۔ اگر انکا واسطہ درمیان میں سے نکال دیا جائے تو محبوب کریم ﷺ سے پوری امت کا رابطہ کٹ جائے۔ صحابہِ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں قرآن شریف کی بے شمار آیات وارد ہیں، کثیر التعداد احادیث موجود ہیں اور روافض کی کتب خصوصاً نہج البلاغہ میں کثرت سے اقوال موجود ہیں۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ سب سے عظیم پیغمبر کو اپنے شاگردوں اور صحابہ کے معاملے میں ناکام نہ کہا جائے۔

ہر باطل فرقے نے ان مقدّس ہستیوں کا انکار کر کے ٹھوکر کھائی ہے، خواہ خوارج ہوں یا روافض۔ حتیٰ کہ حدیث کے انکار میں بھی اسی بنیادی عنصر کا عمل دخل ہے۔ نمازِ تراویح کی جماعت اور رکعاتِ تراویح کا تعیّن (اسے صحابہ کا عمل کہہ کر رد کر دینا)، تین طلاق کا مسئلہ (جس پر خوارج اور روافض دونوں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مقابلے پر متفق ہیں)، ممانعت متعہ کا

مسئلہ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا کر اس کا انکار کر دینا)، داڑھی کی مقدار کا مسئلہ (ابن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کا انکار) اور حیات النبی ﷺ کا انکار (فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَق کو صحابی کا قول کہہ کر ٹھکرا دینا) وغیرہ۔ ان تمام مسائل میں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے انحراف فساد کی جڑھ ہے۔ حتیٰ کہ قادیانیوں کا بھی یہی وطیرہ ہے۔ مثلاً وہ حیاتِ مسیح علیہ السلام والی حدیث کے آخری الفاظ ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً (بخاری:۳۴۴۸، مسلم:۳۹۰، ترمذی:۲۲۳۳) کو صحابی کا قول کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔

شانِ صحابہ قرآن میں

(۱)۔ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَداً یعنی سبقت لینے والے مہاجرین اور انصار اور جنہوں نے ان کی احسان کے ساتھ پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کیلئے جنت تیار کر دی ہے جس میں وہ ہمیشہ تک رہیں گے (توبہ:۱۰۰)۔

(۲)۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ یعنی بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہوا ہے جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے، پس اللہ نے انکے دلوں کی سچائی جان لی اور ان پر سکون نازل کر دیا (فتح:۱۸)۔

(۳)۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں اور انکے ساتھی کافروں کے لئے سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں (فتح:۲۹)۔

(۴)۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی

اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے انکو پناہ دی اور انکی مدد کی وہ سب کے سب ایسے مومن ہیں جیسے مومن ہونے کا حق ہے، ان کیلئے مغفرت ہے اور آخرت میں عزت والا رزق ہے (انفال: ۷۴)۔

(۵)۔ فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَۃً وَ کُلاًّ وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنیٰ یعنی اللہ نے مال وجان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر مرتبے میں فضیلت دی ہے اور اللہ نے ان سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے (النساء: ۹۵)۔

(۶)۔ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَ قَاتَلُوْا وَ کُلاًّ وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنیٰ یعنی تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جنگ لڑی وہ ان لوگوں سے بلند مرتبے والے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ لڑی، مگر ان سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ کر لیا ہے (الحدید: ۱۰) وغیرہ۔

شانِ صحابہ احادیث میں

(۱)۔ عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَاٰنِیْ اَوْرَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ یعنی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کسی ایسے مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا ہو یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا ہو (ترمذی: ۳۸۵۸)۔

(۲)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ خَیرُ النَّاسِ قَرنِی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ، ثُمَّ یَجِیْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ یَمِیْنَہٗ وَیَمِیْنُہٗ شَھَادَتَہٗ یعنی حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر جو اُن سے ملیں گے اور پھر جو اُن سے ملیں گے۔ پھر ایسی قوم آجائے گی کہ اُس کی گواہی قسم سے آگے نکل جائے گی اور قسم گواہی سے آگے نکل جائے

گی (مسلم:۶۴۷۲، بخاری:۲۶۵۲، ترمذی:۳۸۵۹، ابنِ ماجہ:۲۳۶۲)۔

(۳)۔ عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِی رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ، لَاتَسُبُّوا اَصْحَابِی، فَلَو اَنَّ اَحَدَ کُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا، مَابَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِم وَ لَانَصِیفَہٗ یعنی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کو گالی مت دو، اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان میں سے کسی ایک کے جزو یا نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا (مسلم : ۶۴۸۸، بخاری :۳۶۷۳، ترمذی :۳۸۶۱، ابنِ ماجہ :۱۶۱، ابو داؤد :۴۶۵۸)۔

(۴)۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا رَأَیْتُم الَّذِیْنَ یَسُبُّونَ اَصْحَابِی فَقُولُوا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی شَرِّکُم یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں تو کہو تمہارے شر پر اللہ کی لعنت (ترمذی:۳۸۶۶)۔

(۵)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ، اللّٰہَ اللّٰہَ فِی اَصْحَابِی، اللّٰہَ اللّٰہَ فِی اَصْحَابِی، لَاتَتَّخِذُوھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِی فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّی اَحَبَّھُمْ، وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِی اَبْغَضَھُمْ، وَمَنْ آذَاھُم فَقَد آذَانِی، وَمَنْ آذَانِی فَقَد آذَی اللّٰہَ، وَمَنْ آذَی اللّٰہَ فَیُوشِکُ اَن یَاخُذَہٗ یعنی حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ میرے بعد انہیں اپنی تنقید کا نشانہ مت بنانا جس نے ان سے محبت رکھی تو میرے ساتھ محبت کی وجہ سے اِن سے محبت رکھی اور جس نے اِن کے ساتھ بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے اِن سے بغض رکھا، جس نے انہیں اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی اللہ اُس پر ضرور گرفت کرے گا (ترمذی:۳۸۶۲)۔

شانِ صحابہ شیعہ کی کتب میں

(۱)۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے محمد ﷺ کے اصحاب کو دیکھا ہے۔آج مجھے تم لوگوں میں ان جیسا ایک بھی نظر نہیں آتا۔صبح ان کے بال الجھے ہوئے اور چہرے غبار آلود ہوتے تھے۔ان کی راتیں قیام اور سجود میں گزرتی تھیں۔کبھی اللہ کی بارگاہ میں ماتھا رگڑتے تھے اور کبھی رخسار۔اپنی آخرت کی یاد سے درخت (خرما) کے تنے کی طرح ہو رہے تھے۔لمبے سجدوں کی وجہ سے ان کی آنکھوں کے درمیان نشان پڑ گئے تھے۔جب اللہ کا ذکر ہوتا تھا تو ان کی آنکھیں برسنے لگتی تھیں حتیٰ کہ ان کے دامن آنسوؤں سے تر ہو جاتے تھے۔خوف اور امید کی وجہ سے اس قدر جھک گئے تھے جیسے سخت طوفان کی وجہ سے درخت جھک جاتا ہے(نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۱۹۰ مطبوعہ مصر)۔

(۲)۔ اَتَرَانِیْ اَکْذِبُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ؟ وَ اللّٰہِ لَاَنَا اَوَّلُ مَنْ صَدَّقَہٗ فَلَا اَکُوْنُ اَوَّلَ مَنْ کَذَبَ عَلَیْہِ فَنَظَرْتُ فِیْ اَمْرِیْ فَاِذَا طَاعَتِیْ قَدْ سَبَقَتْ بَیْعَتِیْ، وَاِذَا الْمِیْثَاقُ فِیْ عُنُقِیْ لِغَیْرِیْ یعنی کیا تم سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ پر بہتان باندھ سکتا ہوں؟ میں نے آپ ﷺ کی تصدیق سب سے پہلے کی تھی۔پھر سب سے پہلا منکر کیسے ہو سکتا ہوں۔میں نے اپنے معاملے پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ میرا اطاعت کر لینا اپنے حق میں بیعت لینے سے بہتر ہے اور اس کی بجائے کسی اور سے وفا کرنا میری ذمہ داری ہے(نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۸۵ خطبہ نمبر ۳۶)۔

یہاں ہم نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ شیعی مترجم نے نیرنگ فصاحت صفحہ ۴۶ پر اِذَا الْمِیْثَاقُ فِیْ عُنُقِیْ لِغَیْرِیْ کا ترجمہ ہڑپ کر لیا ہے۔مترجم کی اس خیانت سے معلوم ہوا کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور تھا۔

(۳)۔ پھر مولا علی رضی اللہ عنہ نے بطورِ خاص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: لِلّٰہِ بِلَادُ فُلَانٍ فَقَدْ قَوَّمَ الْاَوَدَ، وَدَاوَی الْعَمَدَ، وَخَلَّفَ الْفِتْنَۃَ وَاَقَامَ السُّنَّۃَ، وَذَھَبَ نَقِیَّ الثَّوْبِ، قَلِیْلَ الْعَیْبِ، اَصَابَ خَیْرَھَا، وَسَبَقَ شَرَّھَا، اَدّٰی اِلَی اللّٰہِ طَاعَتَہٗ وَاتَّقَاہُ بِحَقِّہٖ یعنی فلاں

کے شہروں میں اللہ برکت دے۔ جس نے خرابی کو دور کیا اور بیماری کا علاج کیا، فتنے کو مٹایا اور سنت کو جاری کیا۔ اس دنیا سے پاک ہو کر گیا۔ کم عیوب کے ساتھ رخصت ہوا۔ خلافت کی خوبیوں کو پایا اور اس کے شر اور خرابی سے پہلے چلا گیا۔ اللہ کی تابعداری کی اور اس کی اطاعت کا حق ادا کر دیا (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۹)۔

اس خطبے میں شیعہ مصنف نے حضرت عمرؓ کے نام کی بجائے ''فلاں'' کا لفظ لکھ دیا ہے۔ دال میں کالا کالا صاف ظاہر ہے اور خطبے کے الفاظ کسی خلیفہ وقت کے سواء کسی پر فٹ نہیں بیٹھتے۔

(۴)۔ رُوِیَ عَنۂ صَلوٰۃُ اللہِ عَلَیۡہِ اَنَّ رَسُوۡلَ اللہِ ﷺ قَالَ: مَا وَجَدۡتُمۡ فِیۡ کِتَابِ اللہِ عَزَّوَجَلَّ فَالۡعَمَلُ لَکُمۡ بِہٖ، وَلَا عُذۡرَ لَکُمۡ فِیۡ تَرۡکِہٖ، وَمَا لَمۡ یَکُنۡ فِیۡ کِتَابِ اللہِ عَزَّوَجَلَّ وَکَانَتۡ فِیۡ سُنَّۃٍ مِّنِّیۡ فَلَا عُذۡرَ لَکُمۡ فِیۡ تَرۡکِ سُنَّتِیۡ، وَمَا لَمۡ یَکُنۡ فِیۡہِ سُنَّۃٌ مِّنِّیۡ فَمَا قَالَ اَصۡحَابِیۡ فَقُوۡلُوۡا، اِنَّمَا مَثَلُ اَصۡحَابِیۡ فِیۡکُمۡ کَمَثَلِ النُّجُوۡمِ، بِاَیِّہَا اُخِذَ اُہۡتُدِیَ وَبِاَیِّ اَقَاوِیۡلِ اَصۡحَابِیۡ اَخَذۡتُمۡ اِہۡتَدَیۡتُمۡ، اِخۡتِلَافُ اَصۡحَابِیۡ لَکُمۡ رَحۡمَۃٌ یعنی امام علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تم اللہ کی کتاب میں دیکھو اس پر عمل کرو۔ اسے چھوڑنے کا تمہارے پاس کوئی عذر نہیں۔ جو بات قرآن میں نہ ملے اور میری سنت میں ملے تو میری سنت چھوڑنے کا بھی تمہارے پاس کوئی عذر نہیں۔ اور جو بات میری سنت میں بھی نہ ملے تو پھر میرے صحابہ کا کہنا مانو۔ بے شک میرے صحابہ تم میں ستاروں کی مانند ہیں۔ جس کی بھی بات مانو گے ہدایت پاؤ گے۔ اور میرے صحابہ کے جس قول پر بھی عمل کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ میرے صحابہ کا اختلاف بھی تمہارے لیے رحمت ہے (احتجاج طبرسی جلد ۲ صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶)۔

رافضی کسے کہتے ہیں

رفض کا لفظی معنی ہے بھاگ جانا اور تتر بتر ہو جانا۔ مذہبی طور پر رافضی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو روحانی اور پہلے تین خلفاء علیہم الرضوان کی

خلافت کو سیاسی مانتے ہوں۔ یہی اصل رافضیت ہے۔

اہل سنت اور روافض کے درمیان پہلا اور بنیادی نکتۂ افتراق یہ ہے کہ روافض نے نبی کریم ﷺ کے بعد قیادت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ انکے عقائد کی تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ: حضورِ رسالت مآب کے بعد قیادت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ سیاسی قیادت اور مذہبی قیادت۔ سیاسی قیادت مخصوص طریق کار سے حضرت ابو بکر نے سنبھال لی جسکو جمہوریت کا نام دیا گیا۔ دینی قیادت حضرت علی علیہ السلام کو حاصل تھی کیونکہ دینی قیادت کا عہدہ جمہوری طرزِ عمل سے نہیں ملا کرتا بلکہ یہ خدائی عہدہ ہے وہ جسکو چاہے دے دیتا ہے (امامت وملوکیت صفحہ ۱۶۶، مذہبِ شیعہ صفحہ ۱۳۵، اتحادِ امت صفحہ ۴۰، اصل و اصولِ شیعہ صفحہ ۱۰۱، ثبوتِ خلافت جلد ا صفحہ ۲۴، مختصر الاحکام صفحہ ۸، تحفۃ العوام صفحہ ۳۵ وغیرہ)۔

روافض اپنی تائید میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ سے استدلال کرتے ہیں اور ائمہ کو انبیاء کی طرح مامور من اللہ سمجھتے ہیں۔ انکے برعکس خوارج حکومتِ وقت کو مرکزِ ملت قرار دیتے ہیں۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةُ يَدُوْرُ عَلَيْهَا اِبْطَالُ مَذْهَبِ الشِّيْعَةِ فَيَجِبُ عَلَى الْعُلَمَاءِ الْاِهْتِمَامُ بِمَسْئَلَةِ الْاَفْضَلِيَّةِ یعنی یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر شیعہ مذہب کے ابطال کا دارومدار ہے لہذا علماء پر لازم ہے کہ افضلیت کے مسئلے کو خصوصی اہمیت دیں (نبراس صفحہ ۳۰۲)۔

رافضیوں کے فرقے

روافض میں بے شمار فرقے ہیں۔ جو شخص حضرت عثمان غنی پر حضرت علی المرتضیٰ کو افضلیت دے وہ شیعہ یا متشیع ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے درمیان سکوت کرنا بھی تشیع ہے۔ اگلے وقتوں میں شیعہ یا متشیع سے یہی مراد ہوتی تھی۔ اس قسم کے لوگوں سے حدیث کی روایت بھی لے لی جاتی تھی۔ لیکن سیدنا علی المرتضیٰ کو شیخین پر افضلیت دینے والے کو رافضی کہا جاتا تھا اور شیخین کو گالیاں دینے والے کو غالی رافضی کہا جاتا تھا۔ یہ تفصیل ہدی

الساری جلد ۲ صفحہ ۲۴۰، تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۹۴، فتاوی رضویہ جدید جلد ۲۸ صفحہ ۸۷ وغیرہ پر موجود ہے۔ فتاوی عالمگیری، البحر الرائق، تبیین الحقائق، شامی، سبع سنابل، مطلع القمرین وغیرہ میں تفضیلیوں کو رافضی کہا گیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: فَمَنْ قَدَّمَهُ عَلٰى اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ فَهُوَ غَالٍ فِیْ تَشَیُّعِهٖ ، وَیُطْلَقُ عَلَیْهِ رَافِضِیٌّ جو انہیں ابوبکر اور عمر سے افضل کہے وہ غالی شیعہ ہے اور اسے رافضی بھی کہا جاتا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۹۴، ہدی الساری جلد ۲ صفحہ ۲۴۰، حاشیہ الرفع والتکمیل صفحہ ۱۴۶، فتاویٰ رضویہ جدید جلد ۲۸ صفحہ ۸۷)۔

افضلیتِ شیخین پر دلائل

(۱)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى یعنی سب سے بڑا متقی۔ جہنم سے بچ کر رہے گا (اللیل: ۱۷)۔ اس پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اَجْمَعَ الْمُفَسِّرُوْنَ مِنَّا اَنَّهَا نَزَلَتْ فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ (ابن جوزی، تفسیر کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۷، صواعق محرقہ صفحہ ۶۶، الحاوی للفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۳۱۴)۔

(۲)۔ ایک مرتبہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ صدیق اکبر کے آگے آگے چل رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس شخص کے آگے کیوں چل رہے ہو جس سے بہتر شخص پر نبیوں کے بعد سورج طلوع نہیں ہوتا (فضائل الصحابہ حدیث نمبر: ۱۳۷، ابونعیم حدیث نمبر: ۳۱۵۹ تقریب البغیۃ بترتیب احادیث الحلیۃ، تاریخ بغداد للخطیب جلد ۱۲ صفحہ ۴۳۸، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث نمبر: ۷۳۰۶، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۴۴ حدیث نمبر: ۱۴۳۱۳)۔

(۳)۔ ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر امامت کرانا (بخاری حدیث نمبر ۶۷۸، مسلم حدیث نمبر ۹۴۸، ترمذی حدیث نمبر ۳۶۷۲)۔

(۴)۔ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا (یعنی اگر میں کسی کو اپنا تنہائی کا دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا (بخاری حدیث نمبر ۳۶۵۶، ۶۷۳۸)۔

(۵)۔ اَبُوْ بَکْرٍ وَ عُمَرُ سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ یعنی ابوبکر اور عمر جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں (ترمذی حدیث نمبر ۳۶۶۶، ۳۶۶۵، ابن ماجہ حدیث نمبر ۹۵، ابن ابی شیبہ ۷ / ۴۷۳، مسند احمد حدیث نمبر ۶۰۴، مسند ابویعلی حدیث نمبر ۵۳۳، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث نمبر ۱۳۴۸)۔

(۶)۔ لَا یَنْبَغِیْ لِقَوْمٍ فِیْھِمْ اَبُوْ بَکْرٍ اَنْ یَّؤُمَّھُمْ غَیْرُہٗ یعنی کسی قوم کو زیب نہیں دیتا کہ ابوبکر کی موجودگی میں کوئی دوسرا نماز پڑھائے (ترمذی: حدیث نمبر ۳۶۷۳)۔

(۷)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ: لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَتِ الْاَنْصَارُ: مِنَّا اَمِیْرٌ وَ مِنْکُمْ اَمِیْرٌ، قَالَ: فَاَتَاھُمْ عُمَرُ رضی اللہ عنہ فَقَالَ: یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَدْ اَمَرَ اَبَا بَکْرٍ یَؤُمُّ النَّاسَ، فَاَیُّکُمْ تُطِیْبُ نَفْسُہٗ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَبَا بَکْرٍ رضی اللہ عنہ؟ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ: نَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ نَتَقَدَّمَ اَبَا بَکْرٍ رَوَاہُ الْحَاکِمُ (سنن نسائی حدیث رقم: ۷۷۷، مستدرک حاکم حدیث رقم: ۴۴۷۹)۔ وَقَالَ صَحِیْحٌ وَ وَافَقَہُ الذَّھَبِیُّ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال شریف ہوا تو انصار نے کہا ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے ہوگا، تو ان کے پاس حضرت عمر آئے اور فرمایا: اے انصار کے گروہ، کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو لوگوں کی امامت کا حکم دیا؟ تم میں سے کون یہ مناسب سمجھتا ہے کہ ابوبکر سے آگے بڑھے؟ تو انصار نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم ابوبکر سے آگے بڑھیں۔

(۸)۔ عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ خَیْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَبُوْ بَکْرٍ وَ خَیْرُ النَّاسِ بَعْدَ اَبِیْ بَکْرٍ عُمَرُ یعنی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابوبکر ہیں اور ابوبکر کے بعد سب سے افضل عمر ہیں (ابن ماجہ صفحہ ۱۱، مسندِ احمد جلد ۱ صفحہ ۱۵۹ تین احادیث، جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ تین احادیث، جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ پانچ احادیث، جلد ۱ صفحہ ۱۳۸ تین احادیث، جلد ۱ صفحہ ۱۴۱، جلد ۱ صفحہ ۱۴۳، جلد ۱ صفحہ ۱۳۷، جلد ۱ صفحہ ۱۵۶، جلد ۱ صفحہ ۱۵۷، ابنِ ابی شیبہ جلد ۸ صفحہ ۵۷۴، السنۃ لعبداللہ ابن احمد حدیث رقم: ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰،

۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۷، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۶، السنۃ لابن ابی عاصم حدیث رقم: ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹)۔ یہ حدیث مولا علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ ذہبی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ یہ بات آپ رضی اللہ عنہ سے جم غفیر کے ذریعے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ اس کے بعد ذہبی نے اس کی تمام اسانید کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ اور اس کے روایت کرنے والوں کی تعداد اسی (۸۰) سے زیادہ بتائی ہے، پھر فرمایا کہ: اللہ خراب کرے رافضیوں کو یہ کیسے جاہل ہیں (صواعقِ محرقہ صفحہ ۶۰)۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: هٰذَا مُتَوَاتِرٌ عَنْ عَلِيٍّ، فَلَعَنَ اللّٰہُ الرَّافِضَۃَ مَا اَجْھَلَھُمْ یعنی یہ حدیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے، اللہ کی لعنت ہو رافضیوں پر یہ کیسے جاہل ہیں (تاریخ الاسلام جلد ۳ صفحہ ۱۱۵، المنتقی من منہاج الاعتدال صفحہ ۳۶۱ کلاھما للذھبی، تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۸، صواعقِ محرقہ صفحہ ۶۰)۔

(۹)۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں: لَا اَجِدُ اَحَداً فَضَّلَنِیْ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ اِلَّا جَلَدْتُہٗ حَدَّ الْمُفْتَرِیْ یعنی میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر و عمر سے افضل کہتا ہے۔ اسے الزام تراشی کی سزا کے طور پر اسی کوڑے ماروں گا (فضائل صحابہ امام احمد بن حنبل حدیث نمبر: ۴۹، ۳۸۷، السنۃ لعبد اللہ ابن احمد حدیث رقم: ۱۲۴۲، السنۃ لابن ابی عاصم حدیث نمبر ۱۲۵۴، الاستیعاب صفحہ ۴۳۴، ابن عساکر جلد ۳۰ صفحہ ۳۸۳، جلد ۴۴ صفحہ ۳۶۵، الریاض النضرۃ جلد ۱ صفحہ ۸۸، المؤتلف والمختلف للدارقطنی جلد ۳ صفحہ ۹۲، تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۸، صواعقِ محرقہ صفحہ ۶۰، تفسیر قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۲۰۶، کنز العمال حدیث نمبر: ۳۶۱۵۲، ازالۃ الخفاء جلد ۱ صفحہ ۳۱۷)۔ یہ حدیث صحیح ہے، ذہبی نے اسے صحیح لکھا ہے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اسے ذہبی ہی کے حوالے سے صحیح لکھا ہے قَالَ سُلْطَانُ الشَّانِ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ الذَّھْبِیُّ حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ (الزلال الانقی صفحہ ۹۵)۔

(۱۰)۔ تفضیلی رافضیوں کی عادت ہے کہ قرآن شریف، متواتر احادیث اور اجماع کے مقابلے پر کوئی موضوع حدیث، کوئی مردود قول یا کوئی اپنی ذاتی اٹکل چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی باتوں سے غالی رافضیت لازم آتی ہے اور ان کے دلائل سے پوری امت کا گناہ گار ہونا لازم آتا ہے۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 4

امت کا اجماع حجت ہے

اہل سنت وجماعت کا معنی اور اس نام کا ثبوت

اہل سنت وجماعت سے مراد ہے: نبی کریم ﷺ کی سنت اور جماعتِ صحابہ واجماعِ امت کی راہ پر چلنے والے۔

اہل سنت وجماعت کے نام میں انتشار کی بجائے اجتماعیت اور جامعیت موجود ہے یہ نام اتنا معقول اور خوبصورت ہے کہ قرآن وسنت اور شیعہ مذہب کی بے شمار کتب سے اسکی تائید ہورہی ہے مثلاً قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الۡهُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا یعنی جو ہدایت کے واضح ہوجانے کے بعد رسول کی نافرمانی کرے اور مومنین کے راستے سے ہٹ کر چلے تو اسے ادھر ہی جانے دیں گے جہاں کو جارہا ہے اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے (النسائ: ۱۱۵)۔ اس آیت میں رسول ﷺ کی تابعداری اور مومنین کی پیروی کا حکم موجود ہے۔ یہیں سے سنت اور جماعت ماخوذ ہے۔

حدیث میں ہے کہ میری امت کے تہتر ۷۳ فرقوں میں سے نجات پانے والا وہ فرقہ ہوگا کہ مَا اَنَا عَلَیۡهِ وَ اَصۡحَابِی یعنی جس راستے پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں (ترمذی حدیث

نمبر ۱۲۶۴)۔جس پر نبی کریم ﷺ ہوں وہ سنت ہے اور جس پر صحابہ کرام ہوں وہ جماعت کا راستہ ہے اور جو سنت اور جماعت کی پیروی کرے وہ اہلِ سنت و جماعت ہے اور یہی نجات پانے والا طبقہ ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے یَوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ یعنی قیامت کے دن کچھ چہرے سفید ہوں گے (آل عمران:۱۰۶)۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اہل السنۃ یعنی سفید چہرے والوں سے مراد اہل سنت ہیں اور کالے چہروں سے مراد اہل بدعت کے چہرے ہیں (تفسیر ابنِ کثیر جلد ا صفحہ ۵۳۶،قرطبی جلد ۴ صفحہ ۱۶۳، درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۶۳ ، خازن جلد ا صفحہ ۲۸۶ ، مظہری جلد ۲ صفحہ ۱۱۶،منہاج السنۃ از ابنِ تیمیہ جلد ا صفحہ ۲۵۶،فتاویٰ اہل حدیث جلد ا صفحہ ۴۷،فتح القدیر جلد ا صفحہ ۳۷۱)۔

شیعہ کی کتاب اصولِ کافی میں ہے کہ قَالَ جَعۡفَرُ الصَّادِقُ عَلَیۡہِ السَّلَامُ کُلُّ شَیۡءٍ مَرۡدُوۡدٌ اِلیٰ کِتَابِ اللہِ وَالسُّنَۃِ یعنی ہر چیز کا فیصلہ اللہ کی کتاب اور سنت سے کرایا جائے (اصولِ کافی جلد ا صفحہ ۱۱۶)۔ بلکہ اصولِ کافی جلد ا صفحہ ۱۱۵ پر پورا باب باندھا گیا ہے جس کا نام ہے "باب الاخذ بالسنۃ" یعنی سنت سے دین حاصل کرنے کا باب۔

سنت کے علاوہ جماعت کی اہمیت پر بھی شیعہ کی کتاب میں بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا فرمان نہج البلاغہ میں اس طرح موجود ہے کہ وَالۡزَمُوا السَّوَادَ الۡاَعۡظَمَ فَاِنَّ یَدَاللہِ عَلَی الۡجَمَاعَۃِ یعنی ہمیشہ بڑے گروہ کے ساتھ چمٹے رہو اور بلا شبہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۲۷)۔اس خطبے میں مولا علی رضی اللہ عنہ نے جماعت پر اللہ کا ہاتھ بتانے کے علاوہ سوادِ اعظم یعنی بڑے گروہ کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ یہی الفاظ اہل سنت کی کتابوں میں حدیث مرفوع کے حوالے سے موجود ہیں۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: اِذَا رَأَیۡتُمُ الۡاِخۡتِلَافَ فَعَلَیۡکُمۡ بِالسَّوَادِ الۡاَعۡظَمِ یعنی جب اختلاف دیکھو تو ہمیشہ بڑے گروہ کے ساتھ ہو جانا (ابن ماجہ حدیث رقم: ۳۹۵۰)۔

روافض اور خوارج دونوں اقلیتی ٹولے ہیں اور سوادِ اعظم والی تمام احادیث سے ان دونوں ٹولوں کا بطلان اچھی طرح واضح ہو رہا ہے۔

اجماع کی حجیت

ہر زمانے میں دین کی آگے منتقلی تواتر اور اجماعِ امت کے ذریعے ہوتی رہی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

خوارج اور روافض دونوں اجماعِ امت کی حجیت کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کرتے ہیں۔ آج کل خود کو مجدد ظاہر کرنے والے کچھ مبتدعین بھی اجماع کا مذاق اڑاتے ہوئے یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ ایک ہی گاؤں کے چند مولوی مل کر جو فیصلہ کر دیتے تھے اسے اجماع کہہ دیا جاتا تھا۔

اجماعِ امت کی حجیت قرآن کی آیت كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ اور آیت سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ وغیرہ سے ثابت ہے۔ حدیث میں صاف الفاظ ہے کہ إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِيْ عَلىٰ ضَلَالَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمْ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں ہونے دے گا، جب تم اختلاف دیکھو تو ہمیشہ بڑے گروہ کے ساتھ ہو جانا (ابنِ ماجہ:۳۹۵۰)۔ نیز فرمایا: عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ یعنی تم پر لازم ہے کہ جماعت کا ساتھ دو (ترمذی:۲۱۶۵)۔ إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِيْ عَلىٰ ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے، جس نے جماعت کو چھوڑا اسے آگ میں ڈالا جائے گا (ترمذی:۲۱۶۷)۔ نیز فرمایا: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ فَمِيْتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ یعنی جس نے ایک بالشت بھی جماعت کو چھوڑا اور اسی حال میں مر گیا تو وہ جہالت کی موت مرا (مسلم:۴۷۹۰، بخاری:۷۰۵۳، ۷۰۵۴)۔ نیز فرمایا: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ یعنی جس نے ایک بالشت بھی جماعت کو چھوڑا اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی (ابوداؤد:۴۷۵۸، مسندِ احمد:۲۱۶۱۶،

مستدرکِ حاکم: ۴۰۵)۔ نیز فرمایا: اِنَّ الشَّیْطٰنَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ کَذِئْبِ الْغَنَمِ یَأْخُذُ الشَّاذَۃَ وَ الْقَاصِیَۃَ وَ النَّاحِیَۃَ وَاِیَّاکُمْ وَ الشُّعَابَ وَ عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ وَ الْعَامَّۃِ یعنی شیطان انسان کا بھیڑیا ہے، جیسے ایک بھیڑیا بکریوں کا ہوتا ہے، وہ اس بکری کو پکڑ لیتا ہے جو شاذ یعنی اکیلی بھاگ جائے یا ریوڑ سے دور ہو جائے یا کنارے کنارے چرتی ہو۔ تنگ راہوں اور گھاٹیوں سے بچ کے رہو۔ اور جماعت و جمہور کا ساتھ مت چھوڑو (مسندِ احمد: ۲۲۱۲۸)۔

اس موضوع پر دلائل کثرت سے موجود ہیں جن کی روشنی میں علماء نے لکھا ہے کہ اَلْاِجْمَاعُ حُجَّۃٌ قَطْعاً وَیُفِیْدُ الْعِلْمَ الْجَازِمَ عِنْدَ الْجَمِیْعِ مِنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ وَ لَا یُعْتَدُّ بِشَرْذِمَۃٍ مِّنَ الْحَمْقٰی الْخَوَارِجِ وَ الشِّیْعَۃِ لِاَنَّھُمْ حَادِثُوْنَ بَعْدَ الْاِتِّفَاقِ یُشَکِّکُوْنَ فِی ضَرُوْرِیَّاتِ الدِّیْنِ یعنی اجماع تمام اہلِ قبلہ کے نزدیک حجت قطعی ہے اور اس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ یہاں مٹھی بھر خارجی اور رافضی احمقوں کی بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے (جو اجماع کے منکر ہیں)۔ یہ لوگ صحابہ کا اجماع منعقد ہو جانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور ضروریاتِ دین میں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں (مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت جلد ۲ صفحہ ۲۱۳)۔

اور اگر ایک گاؤں کے چند آدمیوں کا فیصلہ اجماع کہلاتا تھا تو سوال یہ ہے کہ اس قسم کے اجماع آپ لوگوں کے پاس کیوں نہیں ہے؟ معلوم ہوا کہ آپ کے ساتھ ایک گاؤں کے چند آدمی بھی نہیں ہیں۔

آج روافض اگرچہ اجماع کی حجیت کو تسلیم نہیں کرتے لیکن انکی بلند پایہ کتاب اصولِ کافی کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ خُذُوْا بِالْمَجْمَعِ عَلَیْہِ فَاِنَّ الْمَجْمَعَ عَلَیْہِ لَا رَیْبَ فِیْہِ یعنی امام علیہ السلام نے فرمایا: جس پر اجماع ہو اس پر عمل کرو، بلاشبہ جس پر اجماع ہو اس میں کوئی شک نہیں ہوتا (مقدمہ اصولِ کافی طبع قدیم صفحہ ۱۰، طبع جدید صفحہ ۲)۔

چند اجماعی مسائل

اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ سب سے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ

کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا کفر ہے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۲۴۷، الیواقیت والجواھر جلد ۲ صفحہ ۳۷۱، شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۶۴)۔

اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ گستاخِ رسول کی سزا قتل ہے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸۹، شامی جلد ۳ صفحہ ۳۱۷، المستند المعتمد صفحہ ۱۵۲، الصارم المسلول صفحہ ۱۲)۔

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر تمام صحابہ و تابعین وجمیع امت کا اجماع ہے (بخاری: ۳۶۵۶، ۳۶۵۷، مسلم: ۶۱۷۲، ۶۱۷۳، ابوداؤد: ۴۶۲۷، ترمذی: ۳۶۶۰، ۳۶۶۱، تقریب النواوی جلد ۲ صفحہ ۱۹۶، تدریب الراوی ایضاً، تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۷، سبع سنابل صفحہ ۶۱، صواعقِ محرقہ صفحہ ۵۹، شرح فقہ اکبر صفحہ ۶۱، ازالۃ الخفاء جلد ۱ صفحہ ۳۱۱، مطلع القمرین صفحہ ۶۷ وغیرہ)۔ بلکہ اس موضوع پر ہر دور میں اجماع رہا ہے اور اسے جمعہ کے خطبوں میں شامل رکھا گیا ہے۔

سیدہ عائشہ کی براۃ نازل ہوجانے کے بعد آج جو شخص ان پر الزام لگائے اس کے کفر پر اجماع ہے (الصارم المسلول صفحہ ۴۱۷)۔

مذاہبِ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کو اختیار کرنا لازم ہے۔ مذاہبِ اربعہ سے خروج سوادِ اعظم سے خروج ہے اس پر پوری امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے (عقد الجید صفحہ ۳۳، مرام الکلام صفحہ ۷۰)۔

عقیدہ شفاعت پر تمام اہلِ سنت کا اجماع ہے، خوارج اور بعض معتزلہ اس کے منکر ہیں (نووی جلد ۱ صفحہ ۱۰۴، مرام الکلام صفحہ ۶۹)۔

داڑھی کی مسنون مقدار ایک مٹھی ہے اس پر پوری امت کا اجماع ہے (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۵۱، البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۴۹۰، طحطاوی صفحہ ۶۸۱، شامی جلد ۲ صفحہ ۱۲۳)۔

قتل خطا میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور اس پر جمیع امت اولین و آخرین کا اجماع ہے (کتاب الام جزئی ۶ جلد ۳ صفحہ ۱۱۷، تفسیر ابن جریر جزئی ۵ صفحہ ۲۵۷،

تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۳۰۹،شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۶۲ وغیرہ)۔

رقص اور ڈانس کرنا حرام ہے اور اس پر تمام علماء وصوفیاء کا اجماع ہے(کشف المجوب صفحہ ۴۷۶،۱۰ازیۃ علی ہامش الہندیہ جلد ۶ صفحہ ۳۴۹،شامی جلد ۲ صفحہ ۳۳۷)۔

اس پر اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ قبر کا عذاب حق ہے(کتاب الروح صفحہ ۸۰)۔

میت اپنے زیارت کرنے والے کو پہچانتا ہے اس پر پوری امت کا اجماع ہے(کتاب الروح صفحہ ۱۳)۔میت کے لیے دعا کرنا جائز ہے اس پر اجماع ہے(شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۲۹)۔

محبوب کریم ﷺ کے روضۂ انور کی زیارت سنن المسلمین میں سے ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے(المستند المعتمد صفحہ ۱۵۱)۔

اس پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ آیت اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی(تفسیر قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۶،تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۵)۔

اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہیں(شرح نووی جلد ۱ صفحہ ۴۷۸،قرطبی جلد ۳ صفحہ ۱۲۳)۔

اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ آیت وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہ کا تعلق ذبح کے وقت سے ہے لَا خَلَافَ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَّ الْمُرَادَ بِہِ الذَّبِیْحَۃُ اِذَا اُھِلَّ بِھَا لِغَیْرِ اللّٰہ عِنْدَ الذَّبْحِ (احکام القرآن للجصاص جلد ۱ صفحہ ۱۲۵)۔

اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ سورج کی ٹکیہ غائب ہوتے ہی افطار کا وقت ہو جاتا ہے لَا خِلَافَ فِیْ اَنَّہٗ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدِ انْقَضٰی وَقْتُالصَّوْمِ (احکام القرآن للجصاص جلد ۱ صفحہ ۲۴۲)۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ایسا اجماع جس کا تعلق عقیدے سے ہو،اس کا انکار کفر ہے یا کم از کم اہل سنت سے خروج کو مستلزم ہے۔جیسے ختم نبوت اور افضلیتِ شیخین پر اجماع۔

منکرینِ اجماع کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ آپ کسی بھی موضوع پر انہیں اجماع کی

ہزار عبارات دکھا دیجیے، یہ لوگ آپ کو اسی موضوع پر ایک آدھ معتزلہ وغیرہ کا قولِ مخالف دکھا کر کہہ دیں گے کہ جب ایک شخص اجماع میں شامل نہ رہا تو اجماع ٹوٹ گیا۔ انکی اس واردات کا جواب اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ اولاً یہ ایسا خطرناک قاعدہ ہے کہ اسی کو قادیانی بھی اپنائے ہوئے ہیں۔

چنانچہ مرزا قادیانی لکھتا ہے: خود اجماع کے معنوں میں ہی اختلاف ہے۔ بعض صحابہ تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ بعض قرون ثلثہ تک بعض ائمہ اربعہ تک مگر صحابہ اور ائمہ کا حال تو معلوم ہو چکا اور اجماع کے توڑنے کے لیے ایک فرد کا باہر رہنا بھی کافی ہوتا ہے...... پھر یہ لوگ کہیں کہ ان کی حیات پر اجماع ہے۔ شرم، شرم، شرم...... جو شخص اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سچی اور کامل دستاویز قرآن اور حدیث ہی ہے باقی ہمہ ہیچ (روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۲۹۵)۔

حیاتِ مسیح علیہ السلام پر اجماع کے خلاف بھی قادیانی لوگ سر سید احمد خان، غلام احمد پرویز، عبید اللہ سندھی اور اقبال جیسے لوگوں کے اقوال اٹھائے پھرتے ہیں۔ ان باتوں کو وہی شخص سمجھ رہا ہوگا جو صاحبِ مطالعہ ہے اور جاہلانہ اچھل کود کو پسند نہیں کرتا۔

ثانیاً اجماع کو پھاڑنے والے ایسے اقوال اکثر موضوع ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت میر سید عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ روایتیں اور وہ مسئلے جو اجماعِ امت کے مخالف اور منافی ہیں سراسر غیر مسموع اور ناقابلِ قبول اور محض غلط ہیں (سبع سنابل صفحہ ۷۵)۔

ثالثاً منکرینِ اجماع ایسے اقوال کا مطلب غلط سمجھتے ہیں جیسا کہ قادیانیوں نے حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی عبارت کا غلط مطلب لیا ہے۔

رابعاً اگر کوئی ایسا قول موجود ہو بھی تو اس میں مناسب تاویل کر کے متشابہ کو محکم کی طرف لوٹانا چاہیے نہ کہ محکم کو متشابہ کی طرف۔

خامساً شاذ قول آپ کو ہر موضوع پر مل جائے گا۔ پھر اعتبار کس چیز پر کرو گے؟ مثلاً امام غزالی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ یزید نے امام حسین کو شہید نہیں کرایا لَمْ یَثْبُتْ اَصلاً (احیاء

العلوم صفحہ ۱۰۵۵)۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی نہیں تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ سب سے افضل نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، ایک قول یہ ہے کہ حضور ﷺ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اعلانِ نبوت سے پہلے کافر تھے۔ یہ قول کلبی رافضی کا ہے اور اسے امام رازی نے تفسیر کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۷ پر وَوَجَدَکَ ضَآلاًّ فَھَدیٰ کی تفسیر میں نقل کر کے اس کی تردید کی ہے، ایک قول یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ غلطی پر تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف اور جنگوں کے موضوع پر بکثرت عجیب وغریب اقوال مل جائیں گے۔ معراج جسمانی کے خلاف کثرت سے اقوال مل جائیں گے۔

سادساً تحقیقی جواب یہ ہے کہ اگلے لوگوں میں سے ایسے قول کے قائل اکثر معتزلہ یا رافضی خارجی ہوتے ہیں، اگر کوئی صحیح العقیدہ ہو تو اس کی بات میں مناسب تاویل کی جائے ورنہ اسے اجماع سے بے خبر مان کر اس کے حق میں حسنِ ظن سے کام لیا جائے۔ لیکن آج اگر خبردار کیے جانے کے باوجود کوئی شخص اجماع کے خلاف چلتا ہے تو اس کا احترام نہیں کیا جائے گا۔

سابعاً حدیث شریف میں ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ فَاِذَا رَأَیْتُمُ الْاِخْتِلَافَ فَعَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ یعنی جب تم اختلاف دیکھو تو ہمیشہ بڑے گروہ کے ساتھ ہو جاؤ۔ اہلِ علم سے درخواست ہے کہ اس حدیث پر غور فرمائیں۔ اس میں صاف طور پر اختلاف کی صورت میں سوادِ اعظم کے فیصلے پر لفظِ اجماع کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اجماع کے انکار سے بے شمار مفاسد لازم آتے ہیں۔ اجماع کا منکر علمی توازن تو کجا، اپنا دماغی توازن بھی درست نہیں رکھ سکتا۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو ٹریفک قوانین کی پابندی کیے بغیر چوکوں میں سے گزر رہا ہے، اور اسے قدم قدم پر آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں سے مختلف گاڑیوں کے ساتھ ٹکرا جانے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کہے کہ افضلیتِ صدیق پر اجماع نہیں ہے مگر وہی شخص کہتا ہو کہ خلافت ظاہری پر اجماع ہے تو وہ ہرگز ایسی کوئی دلیل نہیں دے سکتا جس سے افضلیت کا انکار اور خلافت کا اثبات ہو سکے۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 5

بعد والے اگلوں کو نہیں پہنچ سکتے

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یعنی اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا۔

نیز فرماتا ہے: وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِہٖ جَھَنَّمَ یعنی جو مومنین کی راہ کے علاوہ کی پیروی کرے گا، وہ جدھر جاتا ہے ہم اسے جانے دیں گے، اور اسے جہنم میں ڈالیں گے (النسائ: ۱۱۵)۔

نیز فرماتا ہے: فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا یعنی اگر یہ لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم لوگ ایمان لائے ہو تو یہ ہدایت پا گئے (البقرۃ: ۱۳۷)۔

حدیث پاک میں ہے کہ لَا یَاْتِیْ عَلَیْکُمْ زَمَانٌ اِلَّا وَ بَعْدَہٗ شَرٌّ مِّنْہُ یعنی تم پر ہر بعد میں آنے والا زمانہ پہلے سے زیادہ شر سے بھرا ہوگا (بخاری: ۷۰۶۸، ترمذی: ۲۲۰۶)۔

سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَنْ کَانَ مُسْتَنًّا فَلْیَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَاِنَّ الْحَیَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَیْہِ الْفِتْنَۃُ یعنی تم میں سے جو بھی کسی کے طریقے پر چلنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ ان لوگوں کے راستے پر چلے جو وفات پا چکے ہیں، اس لیے کہ زندہ آدمی فتنے سے محفوظ نہیں ہوتا (مشکوٰۃ: ۱۹۳)۔

اگلے لوگوں کا ادب و احترام بعد والوں پر لازم ہے۔ بعد والوں کا اگلوں پر لعنت بھیجنا قیامت کی نشانی ہے (ترمذی: ۲۲۱۱، مشکوٰۃ: ۵۴۵۰)۔

اس قاعدے سے واضح ہو گیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ، ان کے شاگردوں اور امام مالک علیہم الرحمہ مقدم ہونے کی وجہ سے اور ان کی کتب بھی قرنِ اول کی تصانیف ہونے کی وجہ سے

راجح اور نسبتاً زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔ ان کتب پر جرح کے قوانین ہی بہت بعد میں وضع کیے گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ اگلے لوگوں کو بعد والوں کے قوانین کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔

یہی وہ اصول ہے جس سے روافض کی تمام کتب بھی کتب اہل سنت کے مقابلے پر بہت پیچھے رہ جاتی ہیں۔ اہل سنت کی کتب دوسری اور تیسری صدی میں مرتب ہوچکی تھیں۔

مثلاً موطا امام مالک، موطا امام محمد، کتاب ال آثار، کتاب الخراج وغیرہ۔ اہلِ سنت کی احادیث باقاعدہ سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ اور اہلِ سنت کا ایمان ہے کہ جس نے نبی کریم ﷺ کی طرف جان بوجھ کر جھوٹ منسوب کیا وہ جہنمی ہے (بخاری: ۳۴۶۱، ترمذی: ۲۶۶۹، مسندِ احمد: ۶۴۹۳، مشکوٰۃ: ۱۹۸)۔

اسکے برعکس شیعوں کی سب سے بلند رتبہ کتاب نہج البلاغہ کے مصنف پانچویں صدی میں فوت ہوئے اور سند کے بغیر پوری کی پوری کتاب لکھ دی اور اس کے خطبات میں تحریف کر کے انہیں مولا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا۔ شیعہ کی حدیث کی چار مشہور کتابوں میں سے دو کتابیں چوتھی صدی میں اور دو کتابیں پانچویں صدی میں اہلِ سنت کی ضد اور عناد میں لکھی گئیں۔ ان کے مصنفین کی تاریخ ہائے وفات اس طرح ہیں۔

الکافی	مصنفہ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی	متوفی ۳۲۹ ھجری
من لا یحضرہ الفقیہ	مصنفہ ابو جعفر الصدوق قمی	متوفی ۳۸۱ ھجری
الاستبصار	مصنفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی	متوفی ۴۶۰ ھجری
تہذیب الاحکام	مصنفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی	متوفی ۴۶۰ ھجری
نہج البلاغہ	مصنفہ سید رضی	متوفی ۴۰۴ ھجری

اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد صحیح احادیث کا دستیاب ہونا تو ممکن ہی نہ تھا، ایسی صورتِ حال میں روافض نے اپنی شرمندگی مٹانے کا آسان طریقہ یہ سوچا کہ اہلِ سنت کی کتابیں سامنے رکھ کر ہر بات ان کے الٹ لکھ دی جائے۔ چنانچہ ان کی معتبر ترین کتاب اصولِ

کافی میں حضرت امام علیہ السلام کی طرف منسوب ہے کہ آپ نے شیعوں کو یہ قاعدہ کلیہ عطا فرمایا کہ دَعُوْ امَا وَافَقَ الْقَوْمَ فَاِنَّ الرُّشْدَ فِیْ خِلَافِھِمْ یعنی ہر وہ بات جو اس قوم کے موافق ہو اسے چھوڑ دو، بلاشبہ ہدایت ان کے خلاف کرنے میں ہے (مقدمہ اصولِ کافی جلد ا صفحہ ۱۰)۔اس کے علاوہ چونکہ تقیّہ شیعہ مذہب کی بنیادی تعلیم ہے لہٰذا احادیث گھڑ کر اماموں کی طرف منسوب کر دینا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہ تھی بلکہ عین عبادت تھی۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 6

ہم وسطی امت ہیں

اللہ کریم فرماتا ہے: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ اس آیت میں صراط مستقیم اسے قرار دیا گیا ہے جو مغضوب علیھم یعنی یہود اور ضالین یعنی نصاریٰ کے درمیان ہو۔ یہ دونوں طبقے انتہا پسند ہیں۔ایک نے سیدنا مسیح علیہ السلام کی ماں پر الزام لگا دیا اور دوسرے نے انہیں خدا کا بیٹا بنا ڈالا ،جبکہ اسلام ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہے۔

اسی طرح اہلِ سنت کا مسلک جبریوں اور قدریوں کے درمیان ہے، رافضیوں اور خارجیوں کے درمیان ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: فِیْکَ مَثَلٌ مِنْ عِیْسیٰ اَبْغَضَتْہُ الْیَھُوْدُ حَتّٰی بَھَتُوْا اُمَّہٗ وَاَحَبَّتْہُ النَّصَارٰی حَتّٰی اَنْزَلُوْہُ بِالْمَنْزِلَۃِ الَّتِیْ لَیْسَتْ لَہٗ یعنی اے علی تیری مثال ایسے ہے جیسے عیسیٰ کی مثال۔ ان سے یہودیوں نے بغض رکھا اور ان کی والدہ پر بہتان لگا دیا۔ اور ان سے عیسائیوں نے محبت رکھی اور ان کا رتبہ ناجائز حد تک بڑھا دیا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ: سَیَھْلِکُ فِیَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ یُقَرِّظُنِیْ بِمَا لَیْسَ فِیَّ وَمُبْغِضٌ یَحْمِلُہٗ

شَنَاٰنِیْ عَلٰی اَنْ یَّبْھَتَنِیْ یعنی میرے بارے میں دوطرح کے آدمی ہلاک ہوجائیں گے۔ پہلا حد سے زیادہ محبت کرنے والا جو میری شان اتنی بڑھا چڑھا کر بیان کرے گا جسکا میں حقدار نہیں۔اور دوسرا مجھ سے بغض رکھنے والا جو بغض کی وجہ سے مجھ پر بہتان لگادے گا(ابن ابی شیبہ جلد ۷ صفحہ ۵۰۶،مسندِ احمد:۱۳۸۰، السنن الکبریٰ للنسائی : ۸۴۸۸ ، مسند ابویعلیٰ : ۵۳۴ ، مستدرکِ حاکم:۴۶۸۰،مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۳۳)۔

نہج البلاغہ میں ہے کہ سَیَھْلِکُ فِیَّ صِنْفَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ وَمُبْغِضٌ مُفْرِطٌ الخ سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: ''میرے بارے میں دوطرح کے لوگ ہلاک ہوجائیں گے۔ایک حد سے زیادہ محبت کرنے والا جسے یہ محبت حق سے دور لے جائے گی۔اور دوسرا مجھ سے بُغض رکھنے والا جسے یہ بُغض حق سے دور لے جائے گا۔ میرے بارے میں درمیانی راہ پر چلنے والے ہی صحیح ہوں گے۔ ہمیشہ بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ بے شک اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔تفرقہ بازی سے ہمیشہ بچو۔ جماعت سے الگ ہونے والا شیطان کا شکار بن جاتا ہے جس طرح اکیلی بکری ریوڑ سے بچھڑ کر بھیڑیے کا شکار بن جاتی ہے''(نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۲۷ مطبوعہ ایران/قم)۔

نیز فرماتے ہیں:اَللّٰھُمَّ الْعَنْ کُلَّ مُبْغِضٍ لَّنَا وَ کُلَّ مُحِبٍّ لَّنَا غَالٍ یعنی اے اللہ ہم سے ہر بغض رکھنے والے پر لعنت بھیج اور محبت میں غلو کرنے والے پر بھی لعنت بھیج (المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۷ صفحہ ۵۰۷،الریاض النضرۃ جلد ۲ صفحہ ۱۹۵)۔

اب اس اصول کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسائل کو سمجھیں۔

(۱)۔ خوارج اہل بیت سے بغض رکھتے ہیں اور روافض صحابہ کرام سے بغض رکھتے ہیں۔ جبکہ سنی سب کے غلام ہیں۔

(۲)۔ آج کل کے خوارج نما حضرات چار یار کے حب دار بنے ہوئے ہیں اور روافض پنج تن پاک کے حب دار۔جبکہ سنی چار کے بھی غلام ہیں اور پانچ کے بھی۔

(۳)۔ خوارج صرف نعرہِ تحقیق پر زور دیتے ہیں جبکہ روافض صرف نعرہ حیدری پر۔ سنی یہ دونوں نعرے لگاتے ہیں بلکہ کوئی بھی نعرہ جواباحتِ اصلیہ کے تحت ہو اسے جائز سمجھتے ہیں۔

(۴)۔ خوارج مولا علی کو اور حسنین کریمین کو اہلِ بیت سے خارج سمجھتے ہیں اور روافض ازواجِ مطہرات کو اور تین شہزادیوں کو اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں۔ جبکہ سنی ان سب کو اہلِ بیت میں شامل سمجھتے ہیں۔

(۵)۔ خوارج اہلِ بیت کے کشف والہام اوران کی ولایت کے ہی منکر ہیں اور روافض ان پر وحی آنے کے قائل ہیں جبکہ اہلِ سنت ان دونوں کے درمیان معتدل ہیں۔

(۶)۔خوارج گناہ کو کفر کہتے ہیں اور روافض گناہ کو عبادت سمجھتے ہیں مثلاً تقیہ اور متعہ۔

(۷)۔ خوارج کی داڑھی بے ڈھنگی طویل ہوتی ہے اور روافض کی داڑھی خشخشی۔ سنی معتدل داڑھی یعنی ایک مٹھی داڑھی کے قائل ہیں۔

(۸)۔ خوارج کہتے ہیں امام حسین غلط تھے۔ روافض کہتے ہیں صحابہ غلط تھے جو کوفہ تک ساتھ نہیں گئے۔ اہلِ سنت سب کا ادب کرتے ہیں اور یزید کو غلط کہتے ہیں۔

(۹)۔ خوارج ختنین کے بے ادب ہیں اور روافض شیخین کی افضلیت کے منکر ہیں جب کہ اہلِ سنت کی پہچان یہ ہے کہ شیخین کو افضل سمجھتے ہیں اور ختنین سے محبت کرتے ہیں، مِنْ عَلَامَاتِ اَهْلِ السُّنَّةِ اَنْ تُفَضِّلَ الشَّيْخَيْنِ وَ تُحِبَّ الْخَتَنَيْنِ (شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۵۰)۔

جس طرح محبتِ ختنین کا منکر اہل سنت سے خارج ہے بالکل اسی طرح افضلیتِ شیخین کا منکر بھی اہل سنت سے خارج ہے۔

(۱۰)۔ خوارج صرف قرآن قرآن کرتے ہیں اور روافض قرآن میں تحریف کے قائل ہیں۔ ان دونوں کے برعکس سنی قرآن کیساتھ سنت واجماع کو بھی مانتے ہیں اور قرآن [illegible]ط سمجھتے ہیں۔

نوٹ: کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جن پر خوارج اور روافض کا اتحاد ہے اور اہل سنت ان سے متفق نہیں۔ مثلاً خوارج اور روافض دونوں اجماع کی حجیت کے منکر ہیں۔ جبکہ اہل سنت اسکے قائل

ہیں۔خوارج اور روافض دونوں ایک نشست میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں جبکہ اہل سنت تین کو تین ہی سمجھتے ہیں۔خوارج اور روافض دونوں ضاد کو زاد پڑھتے ہیں جبکہ اہل سنت ان سے متفق نہیں۔خوارج اور روافض دونوں صحابہ کے اقوال کو حجت نہیں مانتے۔جبکہ اہل سنت فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ پر ایمان رکھتے ہیں۔خوارج اور روافض دونوں متشدد اور لڑاکا ہوتے ہیں جبکہ اہلِ سنت معتدل ہوتے ہیں اور صرف علمی حد تک اظہارِ حقیقت کرتے ہیں۔خوارج اور روافض دونوں بے ادب ہوتے ہیں، ایک اہلِ بیت کا بے ادب اور دوسرا اصحابہ و امہات المومنین کا بے ادب جبکہ اہلِ سنت سب کا ادب کرتے ہیں۔

مسلمانوں کا اکثریتی طبقہ اہل سنت ہے۔مسلمانوں کی جماعت کو متحد رکھنے کا عقیدہ اہل سنت و جماعت کے نام سے ہی ظاہر ہے۔تمام صحابہ و اہل بیت علیہم الرضوان میں اتحاد کی فضا کو قائم رکھنا اور اتحاد کو توڑنے والی باتوں، روایتوں اور تاریخی بیانات میں مناسب تاویل کرنا اہل سنت کا طریقہ ہے، جس سے اتحاد برقرار ہے۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 7

تمام دلائل پر بیک وقت نظر رکھنا ضروری ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُدْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً یعنی اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ (البقرۃ:۲۰۸)۔ نیز فرماتا ہے: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ یعنی کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو (البقرۃ:۸۵)۔

(1)۔ وہابیہ کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث تَرَکْتُ فِیْکُمُ الْاَمْرَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّہٖ کو پکڑ رکھا ہے۔یعنی میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت (مؤطا امام مالک: کتاب القدر، باب النھی عن القول بالقدر:۳)۔روافض نے

تَرَکْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ ..... وَاَھْلَ بَیْتِی کو پکڑ رکھا ہے۔ یعنی میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میری عترت (مسلم حدیث نمبر: ۶۲۲۵)۔

جبکہ اہل سنت پوری صورتِ حال پر نظر رکھتے ہیں۔

(۱)۔ تَرَکْتُ فِیْکُمُ الْاَمْرَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّہٖ یعنی میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت (موطا امام مالک: کتاب القدر، باب النھی عن القول بالقدر: ۳)۔ (۲)۔ تَرَکْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ ..... وَاَھْلَ بَیْتِی یعنی میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میری عترت (مسلم حدیث نمبر: ۶۲۲۵)۔ (۳)۔ اِقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ یعنی میرے بعد آنے والے دو خلیفوں کی پیروی کرنا، ابوبکر اور عمر (ترمذی: ۳۶۶۲، ۳۸۰۵، ابنِ ماجہ: ۹۷)۔ (۴)۔ فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِی وَسُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ یعنی تم پر لازم ہے کہ میری سنت پر چلو اور میرے خلفاءِ راشدین مہدیین کی سنت پر چلو (مشکوٰۃ: ۱۶۵، ابوداؤد: ۴۶۰۷، ترمذی: ۲۶۷۶، ابن ماجہ: ۴۲)۔ (۵)۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے (مشکوٰۃ: ۶۰۱۸)۔ (۶)۔ عَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ یعنی ہمیشہ بڑے گروہ کے ساتھ رہو (ابنِ ماجہ: ۳۹۵۰)۔ اہل سنت ان سب باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور مکمل صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہیں۔

(2)۔ وہابیہ صرف اس ایک حدیث کو پکڑ کر فتوے لگائے جا رہے ہیں: فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَ خَیْرَ الْھُدٰی ھُدٰی مُحَمَّدٍ، وَ شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا، وَ کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ یعنی بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے، اور بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور بدترین کام وہ جو نیا ہو، اور ہر بدعت گمراہی ہے (مسلم حدیث نمبر ۲۰۰۵، نسائی حدیث نمبر ۱۵۷۸،

ابن ماجہ حدیث نمبر ۴۵)۔

مکمل صورتِ حال اس طرح ہے کہ محبوب کریم ﷺ کے ارشادات اس حدیث کے علاوہ بھی موجود ہیں، جن کی روشنی میں صورتِ حال بالکل واضح ہو رہی ہے۔ فرمایا: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ رواہ ام المومنین عائشۃ رضی اللہ عنھا یعنی جس نے ہمارے اس دین میں ایسی نئی چیز پیدا کی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے (بخاری حدیث نمبر ۲۶۹۷، مسلم حدیث نمبر ۴۴۹۲، ابوداؤد حدیث نمبر ۴۶۰۶، ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۴)۔

نیز فرمایا: مَنْ سَنَّ فِیْ الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا بَعْدَہٗ، مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْءٌ، وَ مَنْ سَنَّ فِیْ الْاِسْلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً کَانَ عَلَیْہِ وِزْرُھَا، وَ وِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا بَعْدَہٗ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْءٌ یعنی جس نے اسلام میں اچھا طریقہ رائج کیا اسے اس کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کا اجر بھی ملے گا جنہوں نے اسکے بعد اس پر عمل کیا، اور ان عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور جس نے اسلام میں برا طریقہ رائج کیا اس کا گناہ اس کے ذمے ہوگا اور ان لوگوں کا گناہ بھی اسے ملے گا جنہوں نے اس کے بعد اس پر عمل کیا اور ان عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی (مسلم حدیث نمبر ۲۳۵۱، نسائی حدیث نمبر ۲۵۵۴، ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۰۳)۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب صحابہ کرام کو ایک قاری کی امامت میں نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: نِعْمَ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ یعنی یہ اچھی بدعت ہے (بخاری حدیث نمبر ۲۰۱۰، موطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ فی رمضان، باب ماج آء فی قیامِ رمضان حدیث نمبر ۳)۔

سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَا رَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبَزَّارُ وَالطِّیَالِسِیُّ وَالطِّبْرَانِیْ وَ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِی الْحُلْیَۃِ وَرَوَاہُ مُحَمَّدٌ مَرْفُوْعًا فِیْ مُوَطَّاہُ یعنی جسے مومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے۔ اس حدیث کو

امام محمد علیہ الرحمہ نے مؤطا میں مرفوعاً روایت فرمایا ہے (مؤطا امام محمد صفحہ ۱۴۴، مسند ابوداؤد الطیالسی حدیث نمبر ۲۴۳، ابونعیم ۱/۵۷۳، المعجم الاوسط حدیث نمبر ۳۶۰۲، مسند احمد حدیث نمبر ۳۵۹۹)۔

عَنْ سَلمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ السَّمَنِ وَالْجُبنِ وَالْفِرَآئِ، قَالَ، اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ فِی کِتَابِہٖ وَالْحَرَامُ مَاحَرَّمَ اللّٰہُ فِی کِتَابِہٖ، وَمَا سَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ مِمَّا عَفَا عَنْہُ یعنی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے گھی، پنیر اور نیل گائے کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہو اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہو اور جس چیز کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی ہے وہ ان چیزوں میں سے ہے جن کی اللہ نے معافی دی ہے (ترمذی حدیث رقم: ۱۷۲۶، ابن ماجۃ حدیث رقم: ۳۳۶۷)۔

(3)۔ اسی طرح اگر ایک طرف اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ موجود ہے یعنی حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں (مسندِ احمد: ۱۱۰۰۵، ترمذی: ۳۷۶۸، ابنِ ماجہ: ۱۱۸)۔ تو دوسری طرف اَبُوْبَکْرٍ وَّ عُمَرُ سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ بھی انہی کتابوں میں وارد ہے یعنی ابوبکر اور عمر جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں (مسندِ احمد: ۶۰۴، ترمذی: ۳۶۶۴، ۳۶۶۵، ۳۶۶۶، ابنِ ماجہ: ۹۵، ۱۰۰، ابنِ ابی شیبہ جلد ۷ صفحہ ۴۷۳، مسندِ ابی یعلیٰ: ۵۳۳، صحیح ابنِ حبان: ۶۹۰۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۳۴۸، ۴۱۷۴، ۴۴۳۱، ۸۸۰۸)۔ اس حدیث کو سیدنا علی، ابوجحیفہ، انس بن مالک، جابر اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ بلکہ مسندِ احمد میں مولا علی سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ: سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَشَبَابِھَا بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ یعنی ابوبکر اور عمر جنتی بوڑھوں اور نوجوانوں کے سردار ہیں نبیوں اور رسولوں کے بعد۔ حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدا ✵ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّہٗ سَیِّدُ فِتْیَانِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ یعنی یہ جنتی نوجوانوں کا سردار ہے (مستدرکِ حاکم: ۵۱۹۱،

جامع صغیر: ۴۷)۔ حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اَفْضَلُ الشُّھَدَاءِ حَمْزَۃُ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یعنی حمزہ بن عبدا ✵ تمام شہیدوں سے افضل ہیں (مستدرک حاکم: ۴۹۳۹)، ایک اور حدیث میں فرمایا: سَیِّدُ الشُّھَدَاءِ حَمْزَۃُ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَرَجُلٌ قَامَ اِلٰی اِمَامٍ جَائِرٍ فَاَمَرَہٗ وَنَھَاہُ فَقَتَلَہٗ یعنی شہیدوں کا سردار حمزہ بن عبدا ✵ ہے اور وہ شخص جو ظالم حکمران کے سامنے کھڑا ہو گیا، اسے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور اس نے اسے قتل کر دیا (مستدرک حاکم: ۴۸۸۴ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ وَلَمْ یُخْرِجَاہُ)۔

(4)۔ ایک طرف اگر حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ (ترمذی: ۳۷۷۵، ابنِ ماجہ: ۱۴۴) موجود ہے تو دوسری طرف عَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ (ترمذی: ۳۷۱۹، ابنِ ماجہ: ۱۱۹)، تیسری جگہ اَلْعَبَّاسُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ (ترمذی: ۳۷۵۹، مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۰) اور چوتھی جگہ اَلْاَشْعَرِیُّوْنَ ھُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْھُمْ اشعری قبیلہ مجھ سے ہے اور میں ان میں سے ہوں (بخاری: ۲۴۸۶، مسلم: ۶۴۰۸) بھی موجود ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جلیبیب کی نعش مبارک کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا جُلَیْبِیْبٌ مِنِّی وَاَنَا مِنْ جُلَیْبِیْبٍ، جُلَیْبِیْبٌ مِنِّی وَاَنَا مِنْ جُلَیْبِیْبٍ یعنی جلیبیب مجھ سے ہے اور میں جلیبیب سے ہوں، جلیبیب مجھ سے ہے اور میں جلیبیب سے ہوں (مسلم حدیث نمبر ۶۳۵۸)۔

(5)۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت ایمان کی نشانی ہے اور آپ کا بغض منافقت کی نشانی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَّلَا یُبْغِضُہٗ مُؤْمِنٌ یعنی منافق علی سے محبت نہیں کرے گا اور مومن اس سے بغض نہیں رکھے گا (ترمذی: ۳۷۱۷)۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ وَبَرَءَ النَّسَمَۃَ، اِنَّہٗ لَعَھْدُ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَیَّ، اَنْ لَّا یُحِبَّنِیْ اِلَّا مُؤْمِنٌ، وَّلَا یُبْغِضَنِیْ اِلَّا مُنَافِقٌ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور قطرے کو جدا کیا، میرے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ مجھ سے مومن کے سواء کوئی محبت نہیں کرے گا اور منافق کے سواء کوئی بغض نہیں رکھے گا (مسلم: ۲۴۰، ترمذی

:۳۷۸۶۳، نسائی:۵۰۱۸، ۵۰۲۲، ابنِ ماجہ:۱۱۴)۔ لیکن دوسری طرف یہ احادیث بھی یاد رکھیے، حبیبِ کریم ﷺ نے فرمایا: آیَةُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَ آیَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ یعنی انصارِ مدینہ کی محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار کا بغض منافقت کی علامت ہے (بخاری :۱۷، ۳۷۸۴، مسلم:۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، نسائی: ۵۰۱۹)۔ بخاری شریف کے جس باب میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے اس کا نام ہے: بَاب : عَلَامَةُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ اور دوسری جگہ جس باب میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے اس کا نام ہے: بَاب : حُبُّ الْاَنْصَارِ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ مسلم شریف کے جس باب میں یہ احادیث بیان ہوئی ہیں اس کا نام ہے: باب: اَلدَّلِیْلُ عَلٰی اَنَّ حُبَّ الْاَنْصَارِ وَعَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہ عَنْھُمْ مِنَ الْاِیْمَانِ وَعَلَامَاتِہٖ، وَ بُغْضُھُمْ مِنْ عَلَامَاتِ النِّفَاقِ۔ اس باب میں پانچ احادیث انصار کی محبت اور بغض کے بارے میں ہیں جبکہ ایک حدیث سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی محبت اور بغض کے بارے میں ہے۔

ایک شخص مرگیا اور نبی کریم ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار کردیا اور فرمایا: اِنَّہٗ کَانَ یُبْغِضُ عُثْمَانَ فَاَبْغَضَہُ اللّٰہُ یعنی یہ شخص عثمان سے بغض رکھتا تھا، اللہ نے اس سے بغض رکھا (ترمذی : ۳۷۰۹ باب: اِمْتِنَاعُہٗ ﷺ مِنَ الصَّلٰوةِ عَلٰی جَنَازَةِ رَجُلٍ کَانَ یُبْغِضُ عُثْمَانَ)۔

اس سے قبل حدیث اللّٰہَ اللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ نقل کی جاچکی ہے۔ ایک حدیث میں اس طرح ہے کہ : مَنْ اَحَبَّ عُمَرَ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَ مَنْ اَبْغَضَ عُمَرَ فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ یعنی جس نے عمر سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے عمر سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا (المعجم الاوسط حدیث نمبر ۶۷۲۶، مجمع الزوائد حدیث نمبر ۱۴۴۳۹)۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ : وَایْمُ اللّٰہِ لَوْ اَعْلَمُ کَلْباً یُحِبُّ عُمَرَ لَاَحْبَبْتُہٗ یعنی اللہ کی قسم اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ فلاں کتا عمر سے محبت کرتا ہے تو میں اس کتے سے

بھی محبت کروں گا (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث رقم:۸۷۲۵، مجمع الزوائد حدیث رقم:۱۴۴۶۹)۔

(6)۔ ایک طرف اگر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت کعبہ میں ہونا مذکور ہے تو اسی کتاب میں اس سے اوپر والی سطر میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا کعبہ میں پیدا ہونا بڑے وثوق کے ساتھ مذکور ہے حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ عَبْدِ اللہِ فَذَكَرَ نَسَبَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ وَزَادَ فِيهِ: وَاُمُّهُ فَاخِتَةُ بُنْتُ زُهَيْرِ بْنِ اَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزّٰى، وَكَانَتْ وَلَدَتْ حَكِيماً فِي الْكَعْبَةِ وَهِيَ حَامِلٌ، فَضَرَبَهَا الْمَخَاضُ وَهِيَ فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ فَوَلَدَتْ فِيهَا، فَحَمَلَتْ فِي نِطْعٍ، وَغَسَلَ مَا كَانَ تَحْتَهَا مِنَ الثِّيَابِ عِنْدَ حَوْضِ زَمْزَمَ، وَلَمْ يُولَدْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ فِي الْكَعْبَةِ اَحَدٌ یعنی حضرت مصعب بن عبداللہ نے حکیم بن حزام کا نسب بیان کیا اور فرمایا کہ انکی والدہ امِ فاختہ بنت زہیر بن اسد بن عبدالعزیٰ تھیں، انہوں نے حکیم کو کعبہ میں جنم دیا جبکہ وہ حاملہ تھیں، ان کو کعبہ کے اندرونی حصہ میں پیدائش کا درد ہوا، تو حکیم کو کعبہ کے اندر ہی جنم دیا، انہوں نے اسے بغل میں لے لیا، اور حوضِ زمزم کے پاس آ کر کپڑوں کو دھویا، حکیم سے پہلے بھی کسی نے کعبہ میں جنم نہ لیا تھا اور انکے بعد بھی کوئی کعبہ میں پیدا نہ ہوا (مستدرکِ حاکم:۶۱۴۶)۔

یہ بات نقل کرنے کے بعد امام حاکم علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: قَالَ الْحَاكِمُ: وَهَمَ مُصْعَبٌ فِي الْحَرْفِ الْاَخِيرِ، فَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ، اَنَّ فَاطِمَةَ بُنْتَ اَسَدٍ وَلَدَتْ اَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهُ فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ یعنی حاکم کہتا ہے کہ آخری جملہ بولنے میں مصعب کو وہم ہوا ہے، تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں کہ سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا نے امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کو کعبہ کے اندر جنم دیا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: قَالَ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ: وُلِدَ حَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ، وَعَاشَ مِائَةً وَعِشْرِينَ سَنَةً یعنی حکیم بن حزام کعبہ کے اندر پیدا ہوئے اور ایک سو بیس سال عمر پائی (صحیح مسلم حدیث نمبر ۳۸۵۹)۔

الاستیعاب صفحہ ۲۰۱، الاصابہ فی تمیز الصحابہ صفحہ ۳۴۸، الاکمال فی اسماء الرجال مع

المشکوٰۃ صفحہ ۵۹۱ پر بھی یہی لکھا ہے کہ وُلِدَفِیْ جَوْفِ الْکَعْبَۃِ۔

(7)۔ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کی سیاہ رنگ کی چادر مبارک کا ذکر موجود ہے جسے حدیثِ ردا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وَ عَلَیْہِ مِرْطٌ مُرَجَّلٌ مِنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ (مسلم حدیث نمبر ۶۲۶۱، ۵۴۴۵، ابوداوٗد حدیث نمبر ۴۰۳۲، ترمذی حدیث نمبر ۲۸۱۳)۔ بلا شبہ یہ حدیث صحیح ہے۔لیکن مکمل صورتِ حال اس طرح ہے کہ محبوب کریم ﷺ کو سب سے زیادہ پسند یمنی چادر تھی جس کا رنگ سبز یا سرخ دھاریوں والا ہوتا تھا اور اس چادر کو حبرہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ: کَانَ اَحَبَّ الثِّیَابِ اِلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَلْحِبَرَۃُ یعنی رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں میں سے سب سے زیادہ پسند حبرہ تھی (بخاری حدیث نمبر ۵۸۱۲، ۵۸۱۳، مسلم حدیث نمبر ۵۴۴۰، ۵۴۴۱، ابوداوٗد حدیث نمبر ۴۰۶۰، ترمذی حدیث نمبر ۱۷۸۷، نسائی حدیث نمبر ۵۳۳۰)۔

کعبہ شریف کا طواف کرتے وقت آپ ﷺ نے یہی سبز چادر اوڑھ رکھی تھی۔ عَنْ یَعْلیٰ بْنِ اُمَیَّۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ طَافَ بِالْبَیْتِ مُضْطَبِعاً بِبُرْدٍ اَخْضَرَ یعنی رسول اللہ ﷺ نے کعبہ شریف کا طواف فرمایا اور آپ نے سبز رنگ کی چادر کا اضطباع کیا ہوا تھا (ابوداوٗد حدیث نمبر ۱۸۸۳، ترمذی حدیث نمبر ۸۵۹، ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۹۵۴، مسندِ احمد حدیث جلد ۴ صفحہ ۲۲۳ حدیث نمبر ۱۷۹۷۵)۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فِیْ لَیْلَۃٍ اَضْحِیَانٍ وَ عَلَیْہِ حُلَّۃٌ حَمْرَاءُ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَیْہِ وَ اِلیَ الْقَمَرِ فَلَھُوَ عِنْدِیْ اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ یعنی حضرت جابر بن ثمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے چودھویں چاند کی رات نبی کریم ﷺ کو سرخ چادر اوڑھے ہوئے دیکھا، میں ایک نظر آپ کو دیکھتا اور ایک نظر چاند کو دیکھتا تھا، آپ ﷺ مجھے چاند سے زیادہ خوبصورت دکھائی دے رہے تھے (شمائل ترمذی صفحہ ۲)۔

وصال شریف کے وقت بھی یہی حبرہ آپ ﷺ اوپر ڈالی گئی تھی: وَ ھُوَ مُسَجًّی بِبُرْدٍ

حِبَرَۃٍ یعنی آپ ﷺ حبرہ چادر اوڑھائے گئے تھے (بخاری حدیث نمبر ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، نسائی حدیث نمبر ۱۸۴۱)۔

(8)۔ اہل بیت میں کون کون شامل ہیں؟

محبوب کریم ﷺ کے اہل بیت میں سے بعض کا انکار خوارج کرتے ہیں اور بعض کا انکار روافض کرتے ہیں۔ مکمل صورتِ حال اس طرح ہے۔

(۱) یَا نِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَآتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا وَ اذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ آیَاتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا (الاحزاب :۳۴،۳۳،۳۲)۔

اے نبی کی (پاک) بیویو تم عورتوں میں سے کسی کی مثل نہیں اگر اللہ سے ڈرتی ہو (اور یقیناً ڈرتی ہو) تو پس پردہ مردوں سے بضرورت بات کرنے میں ایسا نرم لہجہ اختیار نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ طمع کرنے لگے اور دستور کے مطابق اچھی بات کرنا۔ اور ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور نہ بے پردہ ہو پرانی جاہلیت کی بے پردگی کی طرح اور نماز پڑھتی اور زکوۃ دیتی رہو اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتی رہو اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ اے رسول کے اہلِ بیت تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور فرما دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر کے خوب پاکیزہ کر دے اور یاد کرتی رہو جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتوں اور حکمت کی تلاوت کی جاتی ہے۔ بے شک اللہ ہر باریکی جاننے والا اچھی طرح خبردار

مذکورہ بالا طویل قرآنی ارشاد کو بار بار پڑھیے اور دیانت داری کے ساتھ فیصلہ فرمایئے کہ قرآن میں اہل بیت کسے کہا گیا ہے؟

(۲) یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ حبیبِ کریم ﷺ نے سیدۃ النساء، حسنین کریمین اور

مرتضیٰ کریم رضی اللہ عنہم کو چادر مبارک کے نیچے بٹھا کر فرمایا: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَ کُمْ تَطْھِیْراً (مسلم حدیث نمبر ۶۲۶۱)۔ اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ ازواجِ مطہرات کے بعد یہ چار مقدس ہستیاں بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔

(۳) حضرت سیدہ رقیہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ وہ انکی بیماری کی وجہ سے جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے (بخاری حدیث نمبر ۳۱۳۰، ۳۶۹۸، ترمذی حدیث نمبر ۳۷۰۶)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی امِ کلثوم کو دھاری دار ریشمی چادر اوڑھے ہوئے دیکھا (بخاری حدیث نمبر ۵۸۴۲)۔

جب سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں تین یا پانچ یا زیادہ مرتبہ غسل دو (بخاری حدیث نمبر ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۸، ۱۲۶۰، مسلم حدیث نمبر ۲۱۶۸، ۲۱۷۰ واللفظ لہ، ابوداؤد حدیث نمبر ۳۱۴۲، نسائی حدیث نمبر ۱۸۸۱، ۱۸۸۴ تا ۱۸۹۴ مسلسل گیارہ احادیث، ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۴۵۷، ۱۴۵۹)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اِنَّ خَدِیْجَۃَ وَلَدَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ سِتَّۃً: عَبْدَ اللّٰہِ، وَ الْقَاسِمَ وَ زَیْنَبَ وَ رُقَیَّۃَ وَ اُمَّ کُلْثُوْمٍ وَ فَاطِمَۃَ وَ وَلَدَتْ لَہٗ مَارِیَۃُ اِبْرَاھِیْمَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُم

ترجمہ: سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ شہزادے شہزادیاں پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ، قاسم، زینب، رقیہ، امِ کلثوم، فاطمہ اور حضرت ماریہ میں سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم (المعجم الاوسط جلد ۱ صفحہ ۳۹۹، المعجم الکبیر جلد ۵ صفحہ ۴۳۵، مجمع الزوائد حدیث نمبر ۱۵۲۴۳، ۱۵۲۴۴ رجالہ ثقات، سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۹۰)۔

شیعہ مذہب کی حدیث کی سب سے بلند رتبہ کتاب اصولِ کافی میں ہے کہ :وَ تَزَوَّجَ الْخَدِیْجَۃَ وَ ھُوَ بِضْعٌ وَ عِشْرِیْنَ سَنَۃً فَوُلِدَ لَہٗ مِنْھَا قَبْلَ مَبْعَثِہِ الْقَاسِمُ وَ رُقَیَّۃُ وَ زَیْنَبُ وَ اُمُّ کُلْثُوْمٍ وَ وُلِدَ لَہٗ بَعْدَ الْمَبْعَثِ الطَّیِّبُ وَ الطَّاھِرُ وَ فَاطِمَۃُ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ

ترجمہ : آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدیجہ کے ساتھ پچیس سال کی عمر میں نکاح فرمایا تو ان میں سے بعثت سے پہلے آپ کے بچے قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ علیہم السلام پیدا ہوئے (اصولِ کافی جلد ۲ صفحہ ۴۳۵)۔

(9) اہلِ قرابت کون کون ہیں؟

اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کے بعد اہلِ قرابت کا نمبر آتا ہے۔اہلِ قرابت کا دائرہِ اہلِ بیت کی نسبت بہت وسیع ہے۔ سارا عرب آپ ﷺ کا قرابت دار ہے، کوئی ننہال کی طرف سے اور کوئی ددیال کی طرف سے۔ بخاری شریف میں قرآنی آیت اَلْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبیٰ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :

کسی شخص نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا اِلَّا اَلْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبیٰ سے کیا مراد ہے؟ پاس حضرت سعید بن مسیب تابعی قدس سرہ موجود تھے، انہوں نے کہا اس سے مراد حضور کریم ﷺ کے قرابت دار ہیں۔ آپ نے فرمایا آپ نے جلدی کی ہے، اصل بات یہ ہے کہ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی قرابت داری نہ ہو۔ ان سب کے لیے یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْراً اِلَّا اَلْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبیٰ (شوریٰ ۴۳ :۲۳)۔ مراد یہ ہے کہ اے عرب والو میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت داری ہے اس کا لحاظ کرو (اور میری دعوت پر لبیک کہو) اِلَّا اَنْ تَصِلُوْا قِرَابَۃً مَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الشوریٰ باب قولہ اِلَّا اَلْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبیٰ حدیث نمبر ۴۸۱۸، ترمذی حدیث نمبر ۳۲۵۱، مسندِ احمد حدیث نمبر ۲۰۲۹، بغوی ۴ / ۱۲۵)۔

(10) آل سے مراد کیا ہے؟

اپنی امت پر کریم آقا ﷺ کی حدیث ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَنَسٍ بْنِ مَالِکٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ آلُ مُحَمَّدٍ؟ فَقَالَ کُلُّ تَقِیٍّ وَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنْ اَوْلِیَائُهُ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ یعنی ہر پرہیز گار آل محمد ہے۔ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اللہ کے بندے صرف وہی ہیں جو متقی پرہیز گار ہیں (المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۳۳۲، المعجم الصغیر ۱/ ۱۱۵)۔

امام اہل سنت شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: شرافت عالم کو شرف سید پر ترجیح وتفوق ہے۔ انس بن مالک ﷛ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: آلُ مُحَمَّدٍ کُلُّ تَقِیٍّ محمد ﷺ کی آل ہر پرہیز گار ہے (مطلع القمرین صفحہ ۱۸، ۱۹)۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: صاف ظاہر ہے کہ آلِ محمد سے مراد سب مومن ہیں (فتاویٰ مہریہ صفحہ ۱۸)۔

(11) بارہ خلفاء کے بارے میں مکمل صورتِ حال

۱۔ لَا یَزَالُ اَمْرُ النَّاسِ مَاضِیاً مَا وَلِیَهُمْ اِثْنَا عَشَرَ رَجُلاً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ یعنی لوگوں کے حکومتی معاملات چلتے رہیں گے جب تک ان پر بارہ خلفاء ہوں گے، وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے (بخاری حدیث نمبر ۷۲۲۲، ۷۲۲۳، مسلم حدیث نمبر ۴۷۰۶)۔ اس حدیث میں سادات یا بنی ہاشم نہیں بلکہ قریش کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اگر بارہ اماموں کو صرف بنی ہاشم میں ہی تلاش کیا جائے تو قریش کا لفظ بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔

۲۔ لَا یَزَالُ هٰذَا الْاَمْرُ عَزِیْزاً اِلٰی اثْنَیْ عَشَرَ خَلِیْفَةً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ یعنی یہ امر بارہ خلفاء تک غالب رہے گا، وہ سب قریش میں سے ہوں گے (مسلم حدیث نمبر ۴۷۰۸، ۴۷۰۹، ۴۷۱۰، ابوداؤد حدیث نمبر ۴۲۸۰)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بارہ خلفاء کے زمانے میں دین اسلام غالب رہے گا۔

۳۔ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَا یَنْقَضِیْ حَتّٰی یَمْضِیَ فِیْهِمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْش

یعنی یہ امر اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک ان میں بارہ خلفاء پورے نہ ہوں جائیں وہ سب قریش میں سے ہوں گے (مسلم حدیث نمبر ۴۷۰۵)۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بارہ خلفاء سب کے سب حکمران بادشاہ اور والی ملک ہوں گے۔

۴۔ لَا یَزَالُ الدِّیْنُ قَائِماً حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ اَوْ یَکُوْنَ عَلَیْھِمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَۃً کُلُّھُمْ مِنْ قُرَیْشٍ یعنی دین اس وقت تک قائم رہے گا حتیٰ کہ قیامت آجائے گی یا ان پر بارہ خلفاء ہوں گے، وہ سب قریش میں سے ہوں گے (مسلم حدیث نمبر ۴۷۱۱)۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان کے دور میں دین مضبوط رہے گا۔

۵۔ لَا یَزَالُ ھٰذَا الدِّیْنُ قَائِماً حَتّٰی یَکُوْنَ عَلَیْکُمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَۃً کُلُّھُمْ تَجْتَمِعُ الْاُمَّۃُ عَلَیْہِ یعنی دین قائم دائم رہے گا حتیٰ کہ تم پر بارہ خلیفے ہوں گے،ان سب پر امت کا اجماع ہوگا (ابواؤد حدیث نمبر ۴۲۷۹)۔اس حدیث سے معلم ہوا کہ بارہ خلفاء میں سے ہر ایک کی خلافت پر اجماع ہوگا اور اہلِ حل وعقد انہیں صحیح خلیفہ تسلیم کریں گے۔

۶۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ سُئِلَ کَمْ یَمْلِکُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ مِنْ خَلِیْفَۃٍ؟ فَقَالَ سَئَلْنَا عَنْھَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ اِثْنَا عَشَرَ کَعِدَّۃِ نُقَبَآئِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس امت میں کتنے خلفاء حکمرانی کریں گے؟ فرمایا: ہم نے اسکے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی تعداد بارہ ہوگی بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد کی طرح (احمد حدیث نمبر ۳۷۸۰، ۱؍۱۹۰ / ۵)۔فیہ مجالد بن سعید وھو ضعیف بقیۃ رجالہ ثقات۔اس حدیث میں ملک یعنی حکومت کا لفظ موجود ہے۔

۷۔ اِنَّہٗ لَا تَھْلِکُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃُ حَتّٰی یَکُوْنَ مِنْھَا اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَۃً کُلُّھُمْ یَعْمَلُ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ مِنْھُمْ رَجُلَانِ مِنْ اَھْلِ بَیْتِ مُحَمَّدٍ ﷺ یعنی یہ امت اس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس میں بارہ خلفاء نہ آجائیں، وہ سب ہدایت اور دینِ حق کے مطابق حکومت کریں گے، ان میں دو آدمی اہلِ بیتِ محمد ﷺ میں سے ہوں گے (رواہ مسدد

فی مسندہ الکبیر عن ابی الخلد کما فی تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۱۶)۔اس حدیث میں ہے کہ بارہ میں سے دو خلیفے اہل بیت اطہار علیہم الرضوان میں سے ہوں گے۔

۸۔ سَیَکُوْنُ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَۃً، اَبُوْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقُ لَا یَلْبَثُ بَعْدِیْ اِلَّا قَلِیْلاً الحدیث یعنی جلد ہی بارہ خلفاء ہو گے،ان میں سے ابوبکر میرے بعد تھوڑا ہی زندہ رہے گا،اور گھومتی چکی والا تعریف کے ساتھ زندہ رہے گا اور شہادت کی موت پائے گا،عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کون ہے؟ فرمایا عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) پھر آپ عثمان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا لوگ تم سے مطالبہ کریں گے کہ اس قمیض کو اتار دو جو تمہیں اللہ عزوجل نے پہنائی ہے،اللہ کی قسم اگر تم نے اسے اتار دیا تو پھر تم جنت میں داخل نہیں ہو سکو گے جب تک اونٹ سوئی کے سوراخ میں سے نہیں گزرتا (السنۃ لابن ابی عاصم حدیث نمبر ۱۱۸۶،المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۱۲،المعجم الصغیر حدیث نمبر ۸۷۴۹)۔فیہ مطلب بن شعیب قال ابن عدی لم ار لہ حدیثا غیر ھذا، و بقیۃ رجالہ وثقوا۔اس حدیث میں سیدنا صدیق اکبر،عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے اسماءِ گرامی کی تصریح موجود ہے۔

ان تمام احادیث پر فرداً فرداً غور کیجیے۔جو شخص ان میں سے کسی ایک حدیث کو پکڑ کر باقی کو چھوڑ دے گا وہ گمراہی پھیلائے گا۔آج اس طرح ہو رہا ہے کہ لوگ صرف ایک حدیث بھی نہیں بلکہ حدیث کا ایک ٹکڑا لے کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔صرف پہلی حدیث میں سے بارہ خلفاء کا لفظ پکڑ لینے والے اگر اگلے الفاظ کُلُّھُمْ مِنْ قُرَیْشٍ ہی پڑھ لیتے تو روشنی ہو جاتی۔

ان تمام احادیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علماء نے فیصلہ دیا ہے کہ ان خلفاء میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی المرتضیٰ، سیدنا امام حسن، حضرت سیدنا امیر معاویہ، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام مہدی رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔باقی تین کا تعین نہیں ہو سکا (تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی صفحہ ۱۷،فتاویٰ رضویہ جلد ۹ صفحہ ۲۵)۔تقریباً یہی بات فتاویٰ مہریہ صفحہ ۱۴۶ پر بھی موجود ہے۔

جن لوگوں نے پوری صورتِ حال سامنے نہیں رکھی ان میں سے کسی نے خلفاءِ راشدین کو ان میں سے نکال دیا اور کسی نے یزید پلید کو بھی ان میں شامل کر دیا۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ امامِ اہل سنت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمت اللہ علیہ مذکورہ بالا تمام احادیث نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں: لگتے لگانے والوں میں جس نے سب طرقِ حدیث نہ دیکھے ایک آدھ طریق کو دیکھ کر کوئی احتمال نکال دیا الخ (فتاوی رضویہ جلد ۹ صفحہ ۲۴)۔

(12)۔ بعض لوگ ایک ہی حدیث کو آدھا پڑھتے ہیں مثلاً قادیانی دو مختلف مسیحوں میں سے ایک کا رنگ سرخ اور دوسرے کا گندمی ثابت کرنے کے لیے بخاری سے دو حدیثیں پڑھتے ہیں، ایک حدیث نمبر ۳۴۴۰ جس میں ہے کہ عیسیٰ کا رنگ سرخ ہے۔ دوسری حدیث نمبر ۳۴۴۱ جس میں ہے کہ عیسیٰ کا رنگ گندمی ہے۔ حالانکہ اس دوسری حدیث کے شروع میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ وَ اللہِ مَا قَالَ النَّبِیُّ لِعِیسیٰ اَحمَرَ، یعنی اللہ کی قسم نبی کریم ﷺ نے عیسیٰ کو سرخ نہیں کہا۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایک ہی شخصیت کا حلیہ بیان ہو رہا ہے جسے پہلے صحابی سرخ قرار دیتے ہیں اور دوسرے فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم سرخ نہیں بلکہ گندمی۔

(13)۔ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ مرزا قادیانی ہی ان کا مسیح تھا اور وہی امام مہدی۔ اپنے اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے یہ حدیث پڑھتے ہیں: لَا مَھدِیُ اِلَّا عِیسیٰ یعنی کوئی مہدی نہیں سوائے عیسیٰ کے۔ حالانکہ یہ پوری حدیث اس طرح ہے: لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا عَلیٰ شِرَارِ النَّاسِ وَلَا الْمَھدِیُ اِلَّا عِیسیٰ ابْنُ مَرْیَمَ یعنی قیامت شریر ترین لوگوں پر قائم ہوگی اور عیسیٰ بن مریم کے سوا کوئی ہدایت پر نہیں ہوگا (ابنِ ماجہ: ۴۰۳۹)۔ پوری حدیث سے واضح ہوا کہ یہاں مہدی بمعنی امام مہدی نہیں بلکہ یہ لفظ اپنے لفظی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی مہدی بمعنی ہدایت یافتہ۔ نیز جس باب میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے اس کا نام ہے بَابُ شِدَّۃِ الزَّمَانِ یعنی زمانے کی شدت کا باب۔

(14)۔ عثمانی لوگ بخاری اور مسلم کی حدیث کا ایک ٹکڑا پڑھتے ہیں اِنَّہٗ لَیَسمَعُ قَرْعَ

نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ یعنی قبر میں مردہ فرشتوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ حالانکہ پوری صورتِ حال یہ ہے کہ اس سے پہلے یہ الفاظ موجود ہیں: اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ فَیُقْعِدَانِہٖ وَیَسْئَلَانِہٖ یعنی بے شک جب میت کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے گھر والے اور ساتھی واپس ہوتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے، اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے اٹھا کر بٹھا دیتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں (بخاری: ۱۳۳۸) اور یہ حدیث جس باب میں موجود ہے اس کا نام ہے اَلْمَیِّتُ یَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ یعنی مرنے والا لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

(15)۔ ڈانس کو جائز ثابت کرنے والے لوگ کہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں رقص ہوا اور حدیث پڑھتے ہیں کہ فَاِذَا حَبَشِیَّةٌ تَزْفِنُ وَالصِّبْیَانُ حَوْلَهَا یعنی حبشی رقص کر رہے تھے اور بچے ان کے اردگرد تھے۔

حالانکہ یہ پوری حدیث اس طرح ہے: فَاِذَا حَبَشِیَّةٌ تَزْفِنُ وَالصِّبْیَانُ حَوْلَهَا ....اِذْ طَلَعَ عُمَرُ فَارْفَضَّ النَّاسُ عَنْهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنِّیْ رَأَیْتُ شَیَاطِیْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ یعنی حبشی رقص کر رہے تھے اور بچے ان کے اردگرد تھے ....اوپر سے عمر آ گئے، انہیں دیکھ کر لوگ بھاگ گئے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا عمر کو دیکھ کر شیطان بھاگ گئے ہیں (ترمذی: ۳۶۹۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۹۵۷)۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 8

کفر کا مقابلہ کرنے کے لیے اہل سنت ہونا ضروری ہے

قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے بنانا، بیماروں کو شفا دینا، مردے زندہ کرنا اور پیٹ میں کھائی اور گھر میں رکھی چیزیں بتانا مذکور ہے۔ اب عیسائیوں کا مقابلہ وہ لوگ

نہیں کر سکتے جو اپنے نبی کو بے بس سمجھتے ہوں۔ معجزہ دکھانے میں بے اختیار مانتے ہوں اور کہتے ہوں کہ نبی کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ بھلا کوئی شخص ایک صاحب اختیار پیغمبر کو چھوڑ کر بے بس نبی کو کیسے تسلیم کرے گا۔ یہاں بھی اہلِ سنت کا عقیدہ کام دے گا جو اپنے نبی کا علمِ غیب کلی تسلیم کرتے ہیں اور مختارِ کل مانتے ہیں۔

قادیانیوں کا مقابلہ کرتے وقت تحذیر الناس کی عبارتیں دیوبندی مکتبہ فکر کے لیے مصیبت ہیں جبکہ اہلِ سنت کے پاس حسام الحرمین کی بے نیام تلوار موجود ہے۔

یہی حال روافض کا ہے جو اماموں کو مامور من اللہ سمجھتے ہیں۔ ان پر وحی نازل ہونے کے قائل ہیں اور انہیں معصوم مانتے ہیں اور انبیاء سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔ یہ عقائد سراسر ختمِ نبوت کے منافی ہیں اور ان عقائد والے لوگ قادیانیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ختمِ نبوت پر شیعہ کوئی نمایاں کام نہیں کر سکے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: میں نے روحانی طور پر آنحضور ﷺ سے شیعہ فرقہ کے بارے میں پوچھا کہ یہ لوگ اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر آپکے صحابہ کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا مسلک باطل ہے۔ انکے مسلک کا بطلان امام کے بارے میں انکے پیش کردہ تصور پر معمولی غور و فکر سے کھل جاتا ہے۔ اس کیفیت سے واپسی کے بعد میں نے امام کے لفظ پر غور کیا تو ظاہر ہوا کہ یہ لوگ امام کو معصوم اور اسکی اطاعت کو فرض قرار دیتے ہیں اور وحی باطنی جو باطن پر حکمِ خداوندی کے اِلقاء کا نام ہے اسے امام کے لیے اجتہاد، الہام یا خطاب ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے خود مقرر کرتا ہے تاکہ وہ انہیں خداوندی احکام پہنچائے۔ حالانکہ یہی تو نبوت کے معنی اور اسکے فرائض و خصائص ہیں۔ نبی کی تعریف یہ ہے بَعَثَهُ اللہ لِتَبْلِیغِ الْاَحْکَامِ اللہ تعالیٰ نبی کو اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے بھیجتا ہے یعنی نبی کو اللہ تعالیٰ مقرر کرتا ہے اور اسکی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں یہ لوگ ختمِ نبوت کے قائل نہیں ہیں اور اماموں کے لیے نبوت ثابت کرتے ہیں (الانتباہ فی سلاسلِ الاولیاء اردو

صفحہ ۱۳۱)۔

اسی طرح اگر کسی غیر مسلم کو اسلام کی دعوت دینی ہو اور اسے کہا جائے کہ مسلمان ہونے کے بعد تجھے قمیض اتار کر اپنا سینہ پیٹنا پڑے گا، بلیڈ مارنا پڑیں گے اور ماتم کرنا پڑے گا ورنہ تم منافق ہو۔ تو وہ شخص یقیناً اس قسم کا اسلام قبول کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔

یہودیوں سے پوچھو تمہارے نبی کی امت میں بہترین لوگ کون تھے؟ تو وہ کہیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابی، عیسائیوں سے پوچھو تمہارے نبی کی امت میں بہترین لوگ کون تھے تو وہ کہیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری۔ مگر شیعہ سے پوچھو تمہارے نبی کی امت میں بدترین لوگ کون تھے وہ کہے گا ہمارے نبی کے صحابی۔ اب ایسے اسلام کو کون قبول کرے گا؟

اگر کسی غیر مسلم سے کہا جائے کہ مسلمان ہو جاؤ اور مسلمان ہونے کے بعد تم پر لازم ہے کہ اپنے نبی کے صحابہ پر تبرا کرو تو وہ حواریوں کا احترام سکھانے والا مذہب چھوڑ کر صحابہ کو گالیاں دینے کا مذہب ہرگز قبول نہ کرے گا۔

قادیانی غیر مسلم ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بھی قرآن پر ایمان ظاہر کرتے ہیں لہٰذا ہم ان کا بھی عیسائیوں کے مقابلے پر مار کھا جانا واضح کرتے ہیں۔ عیسائی صلیب کو محض اس لیے متبرک سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر لٹکائے گئے۔ اسی لٹکائے جانے کے عقیدہ نے صلیب پرستی کی بنیاد ڈالی۔ قرآن صاف لفظوں میں مَا صَلَبُوهُ کہہ کر صلیب کی نفی کرتا ہے۔ حدیث میں بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واپس آ کر صلیب پرستی کو ختم کریں گے۔ وَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ (بخاری: ۲۲۲۲، ۳۴۴۸، مسلم: ۳۸۹، ترمذی: ۲۲۳۳)۔ گویا عیسائیت کے بطلان کا دارومدار کسر صلیب پر ہے، جب کہ قادیانی بھی عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب دیے جانے کے قائل ہیں اور صلیب پرستی کو فروغ دے رہے ہیں۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 9

متشابہ کو محکم کی طرف لوٹانا ضروری ہے

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا یعنی بے شک گمان اور ظن حق سے بے نیاز نہیں کرسکتا (یونس: ۳۶) حدیث پاک میں بھی ہے کہ دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ یعنی واضح اور لاریب بات کے مقابلے پر مشکوک اور کچی پکی باتوں کو ترک کردو (ترمذی حدیث رقم: ۲۵۱۸، نسائی حدیث رقم: ۵۷۱۱، سنن الدارمی حدیث رقم: ۲۵۳۵، مسند احمد ۱/ ۲۰۰ حدیث رقم: ۱۷۲۸، مشکوٰۃ حدیث رقم: ۲۷۷۳)۔

علماء کرام علیہم الرحمہ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ ہمیشہ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹایا جائے۔ بلکہ جب نجران کے عیسائیوں نے لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ اور اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ وغیرہ کی تصریحات کے مقابلے پر کلمۃ اللہ اور روح اللہ جیسے الفاظ کے سہارے الوہیتِ مسیح ثابت کرنیکی کوشش کی تو اللہ کریم نے عین اس موقع پر سورۃ آلِ عمران کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں اور محکم کو متشابہ کے ماتحت کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَۃِ یعنی جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تاکہ فتنہ بازی کرسکیں۔

ہر باطل فرقے نے یہیں سے ٹھوکر کھائی ہے یا جان بوجھ کر فراڈ چلایا ہے کہ محکمات اور تصریحات کے ہوتے ہوئے متشابہات بشمول موضوعات، اسرائیلیات اور تواریخ کا سہارا لیا ہے اور اجماع کے مقابلے پر شاذ اور مردود اقوال پر اپنی خرافات کی بنیاد رکھی ہے۔ علامہ ابنِ کثیر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اَھْلُ السُّنَّۃِ یَأْخُذُوْنَ بِالْمُحْکَمِ وَیَرُدُّوْنَ مَا تَشَابَہَ اِلَیْہِ، وَھٰذِہٖ طَرِیْقَۃُ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ کَمَا وَصَفَھُمُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فِیْ کِتَابِہٖ، وَھٰذَا الْمَوْضِعُ مِمَّا زَلَّ فِیْہِ

اَقْدَامُ کَثِیْرٍ مِّنْ اَھْلِ الضَّلَالَاتِ ، وَ اَمَّا اَھْلُ السُّنَّۃِ فَلَیْسَ لَھُمْ مَذْھَبٌ اِلَّا اتِّبَاعَ الْحَقِّ وَ یَدُوْرُوْنَ مَعَہٗ کَیْفَمَا دَارَ یعنی اہل سنت ہمیشہ محکم کو پکڑتے ہیں اور متشابہ کو اس کی طرف لوٹاتے ہیں، یہ علم میں رسوخ رکھنے والوں کا طریقہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انکی تعریف فرمائی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اکثر گمراہوں کے قدم پھسلے ہیں، مگر اہلِ سنت کا مذہب، حق کے اتباع کے سواء کچھ نہیں، جس طرف کو حق گھومتا ہے، اہلِ سنت بھی حق کے ساتھ ساتھ گھوم جاتے ہیں (البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۲۴۸ فصل فی الآیات والاحادیث المنذرۃ بوفات رسول اللہ ﷺ)۔

اس قاعدے کو اچھی طرح ذہن نشین فرما لیجیے۔ اب دیکھیے ، مناقبِ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دارومدار قرآن وسنت ، بخاری مسلم ترمذی وغیرہ پر ہے اور آپ کے مخالفین کی ساری خرافات جنگِ جمل اور جنگِ صفین کی تاریخ کے من مانے انتخابات اور محض بدگمانی کے گرد گھومتی ہیں۔ افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر قرآن کی نص وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقٰی موجود ہے، احادیث میں تصریحات موجود ہیں، مولا علی رضی اللہ عنہ کے واضح ارشادات موجود ہیں، اسی پر تمام صحابہ وتابعین وجمیع امت کا اجماع ہے، مگر مخالفین کے پاس ایسی کوئی تصریح موجود نہیں بلکہ کبھی سب سے پہلے ایمان لانے والے مرجوح قول کو اپنے نظریے کی بنیاد بنائیں گے اور کبھی زوج بتول رضی اللہ عنہا ہونے سے استدلال کریں گے، کبھی سلاسلِ طریقت کے اجراء کا سہارا لیں گے، کبھی فضیلت اور افضلیت میں فرق نہ کرتے ہوئے جاہلانہ استدلال کریں گے اور کبھی یہاں تک کہہ دیں گے کہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر دل نہیں مانتا۔

ان روافض کے علاوہ غالی روافض کا بھی یہی حال ہے کہ اہل سنت کے پاس قرآن و سنت موجود ہے جبکہ انکی تمام رسومات اور شعار واقعہ کربلا کے گرد گھومتے ہیں۔

پادری فانڈر کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تصریح پسند نہیں آئی اور اس نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے تین خدا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مرزا قادیانی کو آیت خاتم النبیین نظر نہیں آئی

اوراس نے اس کے مقابلے پر درودِ ابراہیمی وغیرہ سے نبوت کا اجراء ثابت کرنا چاہا۔

یاد رکھیے کہ اس طرح کے دلائل ہر موضوع پر دستیاب ہو سکتے ہیں اور اجماع کے مقابلے پر مردود اقوال بھی ہر موضوع پر مل سکتے ہیں۔ اگر ہمارے بیان کردہ قاعدے کو مدنظر نہ رکھا گیا تو دین کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔ معاذ اللہ

امامِ اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وہ مسائل بالکل قلیل ہیں جن میں کوئی قولِ شاذ خلاف پر نہ مل سکے۔ بہت مسائل مسلمہ مقبولہ جنہیں ہم اہلِ حق اپنا دین وایمان سمجھے ہوئے ہیں انکے خلاف میں بھی ایسے اقوال مرجوحہ، مجروحہ، مہجورہ، مطروحہ بتلاش مل سکتے ہیں۔ کتابوں میں غث وسمین، ورطب ویابس کیا کچھ نہیں ہوتا مگر خدا اسلامت طبع دیتا ہے تو صحیح وسقیم میں امتیاز میسر ہوتا ہے ورنہ انسان ضلالِ بدعت ووبالِ حیرت میں سرگرداں رہ جاتا ہے۔ اگر شریر طبیعتوں، فاسد طینتوں کا خوف نہ ہوتا تو فقیر اپنی تصدیقِ دعویٰ کو چند مسائل اس قسم کے معرضِ تحریر میں لاتا۔ مگر کیا کیجیے کہ بعض طبائع اصل جبلت میں حساسہ جساسہ بنائی گئی ہیں کہ شب وروز تتبعِ اباطیل وتفحصِ قال وقیل میں رہتے ہیں کما قال ربنا وتعالیٰ اَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَ ابۡتِغَاءَ تَاوِیۡلِهٖ یہ طبیعتیں جہاں اپنی شرارت سے ادنیٰ موقع رخنہ اندازی کا پاتی ہیں، ہدمِ بنیانِ اسلام کے لیے کمر بستہ ہو جاتی ہیں اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنۡ شَرِّ هِنَّ آمِیۡن (مطلع القمرین قلمی صفحہ ۷۴۔۷۵)۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 10

باادب بامراد

دین اسلام کی روح ادب ہے۔ اسلام میں ہر کام کے آداب مقرر ہیں۔ نماز، تلاوت اور دیگر عبادات میں آداب ایک مستقل عنوان کے تحت بیان کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات

کا ادب، نبی کریم ﷺ کا ادب، صحابہ واہلِ بیت کا ادب، اولیاء ومشائخ کا ادب، قریشیوں کا ادب ،سادات کا ادب، عربوں کا ادب، مرشد اور استاد کا ادب، ماں باپ کا ادب۔ یہ تمام آداب کتبِ حدیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ تصوف تو نام ہی ادب کا ہے۔ صوفیاء علیہم الرضوان فرماتے ہیں: اَلتَّصَوُّفُ کُلُّہٗ آدَابٌ لِکُلِّ حَالٍ اَدَبٌ وَّلِکُلِّ مَقَامٍ اَدَبٌ۔

یہاں ہم اللہ تعالیٰ، تمام انبیاء علیہم السلام، ختم المرسلین سیدنا محمد المصطفیٰ ﷺ کے ادب، صحابہ اور اہلِ بیت علیہم الرضوان کے ادب پر مختصراً تحریر کریں گے۔

(۱)۔ اللہ تعالیٰ کا ادب

اللہ تعالیٰ کے ادب سے اس کی عبادت کرنا اور اس کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بنانا مراد ہے۔ عبادت کی تعریف یہی ہے کہ اَقْصیٰ غَایَۃُ التَّعْظِیْمِ یعنی تعظیم کی انتہا۔ اَلْعِبَادَۃُ غَایَۃُ التَّذَلُّلِ وَلَا یَسْتَحِقُّھَا اِلَّا مَنْ لَہٗ غَایَۃُ الْاِفْضَالِ وَھُوَ اللّٰہُ تَعَالیٰ یعنی عبادت اپنے آپ کو گرا دینے کی انتہا کو کہتے ہیں، اور عبادت کا حق دار وہی ہے جو انتہا درجے کا افضل ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے (مفرداتِ راغب صفحہ ۳۳۰)۔ اس کا اظہار رکوع اور سجدے کے ذریعے ہوتا ہے۔ ادب کے اس سے نچلے درجے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے مختص نہیں ہیں۔ مثلاً اس کا نام ادب سے لینا، اس کا واسطہ دیا جائے تو مان جانا وغیرہ۔

(۲)۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ادب

کسی بھی نبی کی بے ادبی کرنا کفر ہے۔ یہود ونصاریٰ ان کے نام بھی ادب سے نہیں لیتے، تورات میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شراب پینا اور زنا کرنا لکھا ہے (تورات: پیدائش باب ۹ آیت ۲۰۔۲۱، پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۰ تا ۳۸، پیدائش باب ۲۷ آیت ۲۵، پیدائش باب ۳۵ آیت ۲، خروج باب ۳۲ آیت ۲)۔ یہ سب باتیں بے ادبی ہیں۔ اگر دو نبیوں کا آپس میں جھگڑا ہوا ہو جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوا تھا تو ایسے موقع پر کسی ایک کو بھی غلط کہنا کفر ہے۔ بڑوں کے معاملات میں خاموش

رہنا ادب ہے۔

نبی آخرالزماں ﷺ کا ادب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱)۔ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ یعنی اور رسولوں کی تعظیم بجالاؤ اور ان کی توقیر کرو (الفتح:۹)۔

(۲)۔ لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی نہ آگے بڑھو اللہ اور اس کے رسول سے (الحجرات:۱)۔

(۳)۔ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ یعنی اس نبی کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور انکے سامنے زیادہ بلند آواز سے بات نہ کرو، ایک دوسرے کیساتھ تمہارے بلند آواز سے باتیں کرنیکی طرح (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور (بھی) نہ ہو (الحجرات:۲)۔

نبی کو محض اپنا معلم مان لینا اور نبی کی تعظیم کو کوئی شے نہ سمجھنا اس آیت کے منافی ہے۔ تعلیم کے ذریعے اعمال کی اصلاح ہوتی ہے اور یہ اعمال برباد ہو جاتے ہیں جب تعظیم نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ تعلیم حاصل کرنا اپنی جگہ پر ضروری ہے مگر تعظیم کا درجہ تعلیم سے بڑھ کر ہے۔

(۴)۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ یعنی اے حبیب بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر ناسمجھ ہیں (الحجرات:۴)۔

(۵)۔ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی اور جب وہ رسول کے ساتھ جمع ہونے کے کسی کام پر حاضر ہوں تو چلے نہ جائیں جب تک ان سے اجازت حاصل نہ کرلیں (اے حبیب) بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس

کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں (النور: ٦٢)۔

(٦)۔ لَا تَجعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً یعنی نہ بنا لو اپنے درمیان رسول کے پکارنے کو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو (النور: ٦٣)۔

(٧)۔ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ یعنی نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک تمہیں کھانے کے لیے نہ بلایا جائے (پہلے سے آ کر) کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو ہاں جب بلائے جاؤ تو آ جاؤ پھر جب کھانا کھا چکو تو (فوراً) منتشر ہو جاؤ اور (وہاں بیٹھے) باتوں میں دل نہ بہلاؤ بے شک یہ (تمہارا طرزِ عمل) نبی کو تکلیف دیتا ہے تو وہ تم سے شرماتے ہیں اور اللہ حق فرمانے سے نہیں رکتا (احزاب: ٥٣)۔

(٨)۔ لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا یعنی اپنے رسول کو راعنا نہ کہو اور انظرنا کہو (البقرۃ: ١٠٤)۔

(٩)۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُّهِيْناً یعنی بے شک جو لوگ اذیت دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ نے ان پر لعنت فرمائی دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے خواری کا عذاب تیار کیا (الاحزاب: ٥٧)۔

زبان سے ادب، دل اور نیت میں ادب اور اعمال وعبادات میں پیچھے پیچھے چل کر ادب، ہر لحاظ سے ادبِ رسالت کا لزوم ثابت ہوا۔

نبی کریم ﷺ کو بکریاں چرانے کی عار دلانا کفر ہے مَنْ عَيَّرَهٗ ﷺ بِرِعَايَةِ الْغَنَمِ الخ (الشفاء جلد ٢ صفحہ ١٩٣)۔ جو شخص اپنی بے وقوفیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے آپ ﷺ کی مثال دیتا ہے وہ کفر بکتا ہے (الشفاء جلد ٢ صفحہ ٢٠٩)۔

صحابہ واہلِ بیت علیہم الرضوان کا ادب

صحابہ واہلِ بیت کا ادب نبی کریم ﷺ کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ حضور کریم ﷺ فرماتے ہیں: لَا تَسُبُّوا اَصْحَابِیْ میرے صحابہ کو گالی مت دو (بخاری: ۳۶۷۳، مسلم: ۶۴۸۷، ۶۴۸۸، ترمذی: ۳۸۶۱، ابنِ ماجہ: ۱۶۱، ابوداوٗد: ۴۶۵۸)۔ پھر فرماتے ہیں: اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ یعنی میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کا خوف دلاتا ہوں (مسلم: ۶۲۲۵)۔ اَصْحَابِیْ اور اَھْلَ بَیْتِیْ دونوں میں ''ی'' کی ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ازواجِ مطہرات کا اہلِ بیت میں ہونا اور ان کی طہارت قرآن کی نص قطعی میں مذکور ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا یعنی اے نبی کے اہلِ بیت! اللہ یہی چاہتا ہے کہ ناپاکی آپ کے قریب بھی نہ آئے اور آپکو اسطرح پاک رکھے جس طرح پاکی کا حق ہے (الاحزاب: ۳۳)۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اَزْوَاجُہٗ مِنْ اَھْلِ بَیْتِہٖ یعنی حضور ﷺ کی تمام ازواج آپ کے اہلِ بیت ہیں (مسلم: ۶۲۲۵)۔

ازواجِ مطہرات کو اہلِ بیت نہ ماننا بھی بے ادبی ہے۔ پھر انکے حق میں وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ (الاحزاب: ۶) کے برعکس انہیں سوتیلی مائیں کہنا بھی بے ادبی ہے اور پھر انہیں گالیاں دینا اور انکے کردار میں شک کرنا تیسری بے ادبی ہے اور یہی وہ گالی ہے جو دراصل نبی کریم ﷺ تک براہِ راست جاتی ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی آپس میں مشاجرت اور جنگ کے معاملے میں بھی انبیاء کے باہمی معاملے کی طرح خاموش رہنا اور سب کا ادب کرنا لازم ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدۃ النساء رضی اللہ عنہما کے درمیان گھریلو جھگڑا ہو (بخاری: ۳۶۷۰، مسلم: ۶۳۰۷، ۶۳۰۸، ترمذی: ۳۸۶۷، ابوداوٗد: ۲۰۷۱، ابنِ ماجہ: ۱۹۹۸)۔

بلکہ روافض کی کتابوں میں سیدۃ النساء علیٰ ابیہا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام کا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روٹھ کر نبی کریم ﷺ کے ہاں چلے جانا تفصیل سے مذکور ہے اور کتاب کا مصنف لکھتا

ہے کہ : درکارہائے بزرگانِ دین و مقربانِ درگاہِ رب العالمین تفکر نہ می باید نمود یعنی بزرگانِ دین اور رب العالمین کے مقرب لوگوں کے معاملات میں غور وخوض نہیں کرنا چاہیے (جلاء العیون صفحہ ۱۲۶)۔ یا سیدنا علی المرتضیٰ اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ ہو یا سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ ہو، ان تمام معاملات میں خاموش رہنا ادب ہے اور کسی ایک کی بے ادبی گناہ ہے۔

ادب کی اس ساری تعلیم اور اہلِ سنت و جماعت کے نام میں زبردست مناسبت ہے۔ جماعت کے لفظ میں صحابہ اور اہلِ بیت کی جماعت کو اکٹھے رکھنے اور اجماعِ امت کو تسلیم کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ خوارج، روافض اور معتزلہ تینوں کا معنی تقریباً ایک ہی ہے یعنی جمعیت کو توڑنے والے۔ مذہبِ اہلِ سنت و جماعت ادب کا علمبردار ہے جبکہ خوارج اور روافض دونوں بے ادب ہیں۔ ایک صحابہ کا اور دوسرا اہلِ بیت کا۔

قیامت کے روز فروعی اور فقہی اختلافات پر براہِ راست پوچھ پکڑ نہیں ہو گی بلکہ روافض اور خوارج اگر پکڑے جائیں گے تو بے ادبیوں کی وجہ سے پکڑے جائیں گے هٰذَا مَاهُوَ ظَاهِرٌ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَيْفَ يَشَآءُ۔

ایسی بات کہنا کفر ہے جس سے پوری امت کی گمراہی یا تکفیر ہوتی ہو نَقْطَعُ بِتَكْفِيْرِ كُلِّ قَائِلٍ قَالَ قَوْلاً يُتَوَصَّلُ بِهٖ اِلٰى تَضْلِيْلِ الْاُمَّةِ الخ (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۲۴۷)۔

یہ تمام آداب باقاعدہ ہمارے عقائد کا حصہ ہیں بلکہ عقائد کی روح ہیں۔ اور خصوصاً عصرِ حاضر کی اہم ضرورت ہیں۔

بعض قدیم عبارات پر جدید گرفت کا فتنہ

پرانے صوفیاء علیہم الرضوان کے وہ اقوال جو شریعت کے خلاف ہیں انکے بارے میں ہم سب سے پہلے یہ دیکھیں گے کہ آں بزرگ کو کفر کے فتویٰ سے بچانے کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے کہ نہیں۔ مثلاً حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کا سبحانی ما اعظم شانی فرمانا۔ آپ کا خود اسے کفر

اور واجب القتل جرم قرار دینا اور پھر تلوار کا آپکے جسم سے پار ہو جانا۔ غلبہ حال کا زندہ ثبوت ہے۔

اگر ایسی صورتِ حال نہ ہو تو پھر ہم دیکھیں گے کہ ان بزرگوں نے اپنی ہی بات سے خود رجوع کر لیا تھا کہ نہیں۔ مثلاً فوائد الفواد میں حضرت ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ کی طرف منسوب وہ جملہ جس میں انہوں نے اپنے مرید سے شبلی رسول اللہ پڑھنے کو کہا۔ مگر ساتھ ہی فرمایا دیا گیا کہ میں رسول اللہ نہیں ہوں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہوں۔ میرا مقصد تمہارا امتحان تھا۔ جب کہ عین ممکن ہے حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کی طرف اس واقعہ کا انتساب درست ہی نہ ہو۔

اگر یہ صورتِ حال بھی نہ ہو تو پھر ہم دیکھیں گے کہ ان کی تردید کسی پرانے بزرگ نے کی ہے کہ نہیں۔ اگر تردید ہو چکی ہے تو وہ قول مردود ٹھہرا اور اس پر وہی فتویٰ ہمارا بھی ہو گا جو سابقہ بزرگوں نے دیا ہے۔ مثلاً حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ کے قول کو غلبہِ حال پر محمول کیا گیا ہے۔ حضرت جنید بغدادی نے اسے کم عقلی قرار دیا ہے (کشف المحجوب صفحہ ۱۹۸)۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس نے خدا کا راز باہر پھینک دیا اور اس کی معرفت خاک میں مل گئی (کشف الاسرار صفحہ ۵)۔

اگر یہ صورتِ حال بھی نہ ہو تو ہم ایسی عبارتوں کو الحاقی قرار دیں گے۔ مثلاً آج بھی بعض لوگ خود اوٹ پٹانگ شعر بنا کر آخر میں ''ھو'' لگا دیتے ہیں اور شعر کو حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ ''غلام فریدا'' لگا کر شعر کو کوٹ مٹھنی بنا دیتے ہیں۔ یہی معاملہ ''بلھے شاہ'' کہہ کر کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح ''چاچڑ وانگ مدینہ دسے'' بھی کسی نے کہہ دیا ہے۔ بعض بزرگوں کی طرف منسوب اشعار ایسے ہیں جو ان کی اپنی لکھی ہوئی کسی کتاب میں موجود نہیں، بلکہ کوئی دوسرا شخص اپنی کتاب میں شعر لکھ کر ان کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ یہ نہایت خطرناک سازش ہے۔ یہ سب بزرگ اس قسم کے کلام کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ملفوظات کی کتابوں میں اگر کوئی خلافِ اجماع بات آ گئی ہو تو وہاں الحاق کا واضح امکان ہوتا

ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض کتابوں کا حشر کر کے رکھ دیا گیا ہے اور البلاغ المبین نامی مکمل کتاب لکھ کر آپ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔

صوفیاء علیہم الرضوان کی بعض عبارات ایسی بھی ہیں جن کے الحاقی ہونے کا بھی امکان ہے اور پرانے بزرگوں نے ان کی تردید بھی فرما دی ہے۔ مثلاً حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی بعض باتوں کی تردید حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے کر دی ہے۔ جب کہ یہ باتیں الحاقی بھی کہی جا سکتی تھیں، جبکہ متعدد علماء نے ان کی کتب میں تحریف کا قول کیا بھی ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی علیہ الرحمہ کی کتاب شواہد النبوہ میں لکھا ہے کہ امام مہدی کا ظہور ہو چکا ہے اور وہ غائب ہیں اس بات کی سخت تردید شیخ محمد اکرم صابری قدس سرہ (۱۱۳۰ھ) نے اپنی معروف کتاب اقتباس الانوار میں کر دی ہے۔ لکھتے ہیں: فقیر راقم الحروف کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ان کا تعلق فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت سے ہے معلوم نہیں کس وجہ سے انہوں نے رافضیوں کی روایات نقل کی ہیں جو مردودِ کونین ہیں (اقتباس الانوار صفحہ ۱۶۷)۔

اگر کسی پرانے بزرگ کی کسی عبارت پر ان کے معاصرین نے گرفت نہیں کی تو آج ہم پر حسنِ ظن یا عدمِ آگہی کا گمان رکھنا لازم ہے ورنہ ہم معترض سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اُس وقت کے ذمہ دار علماء کہاں تھے؟ ہاں اگر ہمارے زمانے میں کوئی شخص کفر بکتا ہے تو ہم اسے تنبیہ کرنے اور پھر نہ ماننے پر کفر کا فتویٰ دینے کا حق رکھتے ہیں۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

★...★...★